حضرت علی علیہ السلام
کے بیٹے
حضرت عباس رضی اللہ عنہ
مصنف اکبر رضا جمشید

حضرت علی علیہ السلام کے بیٹے
حضرت عباس علیہ السلام
مصنف اکبر رضا جمشید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علی علیہ السلام

کے بیٹے

حضرت عباس علیہ السلام

کی سوانح حیات

تصنیف

اکبر رضا جمشید
ڈسٹرکٹ وسیشن جج (ریٹائرڈ)

نام کتاب : حضرت علی کے بیٹے حضرت عباس کی سوانح حیات

مصنف : اکبر رضا جمشید

سنہ طباعت : ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء

کمپوزنگ : اسٹار کمپیوٹرس، پتھر کی مسجد، پٹنہ-۶

طباعت : کوالیٹی آفسیٹ، شاہ گنج، پٹنہ

ہدیہ : ۵۰/- روپے

پہلا ایڈیشن

کتاب ملنے کے پتے

(۱) اکبر رضا جمشید، افضل پور، پٹنہ-۸۰۰۰۰۶

(۲) پرویز بک ہاؤس، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ-۸۰۰۰۰۴

(۳) شکیل بک ڈپو، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ-۸۰۰۰۰۴

(۴) عباس بک سنٹر، وقف اسٹیٹ، گلزار باغ، پٹنہ-۸۰۰۰۰۷

فہرست عنوانات

پیش لفظ

سرورِ کائنات ﷺ پر درود و سلام کے بعد میں عرض کروں گا کہ "لفظ" ایک ایسا لفظ ہے جس کی وسعت اور گہرائی کو بیان کرنا مشکل ہے۔ زمانہ قدیم میں یعنی تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنی پڑتی تھی۔ علم سینہ بہ سینہ اگلے لوگوں تک پہنچتا تھا۔ اس میں کچھ آگے چل کر بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا، کیونکہ لوگ بھول جاتے تھے۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ بولا ہوا لفظ آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہو گیا۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔ تاریخ اسلام کے مؤرخین نے جہاں اوروں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے وہیں ان لوگوں نے تنگ نظری اور تعصب سے کام لے کر اہل بیت رسول کے فرزندوں کے کارناموں کو نظر انداز کر دیا اور ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے۔ فرزند علی ابن ابی طالب حضرت عباس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ تاریخ دانوں نے آپ کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ آپ کے متعلق جو کچھ ہمیں علم ہے وہ سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس علم کو تحریری شکل دیں تا کہ وہ لفظ محفوظ رہ سکے۔ میری ناچیز کاوش اسی سلسلے کی ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

باب-۱

علیؑ کے بیٹے حضرت عباسؑ کا خاندان

اس باب میں ہم
حضرت عباسؑ کے مورث اعلیٰ
یعنی دادا، دادی، باپ اور ماں
کے متعلق گفتگو کریں گے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہم السلام کے ہاتھوں کعبہ کی بنیاد پڑی اور اس کی تعمیر ہوئی۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کعبہ خدا کا سب سے اول گھر ہے۔ اس سے قبل خدا کا کوئی گھر عبادت کے لئے نہیں تھا۔ لوگ کھلے آسمان کے نیچے جدھر چاہتے خدا کی عبادت کر لیتے تھے۔ تعمیر خانہ کعبہ کی داستان بھی عجیب وغریب ہے۔ مورخین میں کچھ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھ عقد کئے اور ان سے تیرہ بیٹے پیدا ہوئے۔ ان سب میں حضرت اسماعیل ذبیح اللہ سب سے بڑے تھے۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو عقد کئے تھے۔ پہلا عقد بی بی سارہ سے اور دوسرا بی بی ہاجرہ سے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو بی بی سارہ سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کاش آپ کی کوئی اولاد ہوتی جو آپ کے کام میں سہارا بنتی۔ آپ نے دعا کی شکل میں اس خواہش کا اظہار کیا تو اللہ تعالی نے آپ کو ایک مدت بعد ایک بیٹا حضرت ہاجرہ کے بطن سے عنایت فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر چھیاسی سال تھی۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر ہے "رب ھب لی من الصلحین ، فبشرنه بغلام حلیم" (سورہ الصافات: آیات ۱۰۰-۱۰۱) پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو۔ (اس دعا کے جواب میں) ہم نے اس کو ایک حلیم (بردبار) لڑکے کی بشارت دی)۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی پیدائش کے بعد حضرت سارہ نے جب دیکھا کہ ابراہیم خلیل اللہ اپنے نوزائیدہ بیٹے کی طرف زیادہ توجہ دے رہے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں تو انہوں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے کہا کہ ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو نکال دو اور ان دونوں کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ آؤ۔ بعض مورخین اس سے اتفاق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ ابھی چند ماہ کے تھے اور ماں کا دودھ پیتے تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنے بیٹے اسماعیل ذبیح اللہ اور ان کی والدہ بی بی ہاجرہ کو عرب کے ایک بے آب وگیاہ میدان میں یکہ وتنہا چھوڑ

آئیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم پاتے ہی آپ ماں اور بیٹا دونوں کو لے کر چل دئے اور عرب کے ایک بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ کر چلے آئے جہاں نہ آدم تھا نہ آدم زاد۔ مکے کی اس سنسان وادی میں اس وقت ایک انسان بھی موجود نہیں تھا اور نہ کہیں پانی پایا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے چمڑے کا تھیلا جس میں کھجوریں تھیں اور پانی کا مشکیزہ حضرت ہاجرہ کو دیا اور واپس روانہ ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے چلیں اور کہنے لگیں، ابراہیم کہاں جا رہے ہو؟ اور ہمیں اس سنسان بے اب وگیاہ وادی میں کہاں چھوڑے جا رہے ہو؟ یہ بات حضرت ہاجرہ نے کئی بار کہی۔ مگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے پلٹ کر نہ دیکھا۔ آخر حضرت ہاجرہ نے کہا، کیا اللہ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ جواب میں انہوں نے بس اتنا فرمایا کہ ہاں۔ اس پر وہ بولیں کہ اگر یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہیں فرمائے گا اور پلٹ کر اپنے بیٹے کے پاس آ بیٹھیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ جب پہاڑ کی اوٹ میں پہنچے تو بیت اللہ (جہاں آج کل خانہ کعبہ ہے) کی طرف رخ کیا اور اللہ سے عرض کیا **ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم و ارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون** "سورہ ابراہیم پارہ ۱۳، آیت ۳۷۔ پروردگار! میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو لا کر بسایا ہے تاکہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کرتا کہ وہ یہاں آ کر آباد ہوں اور انہیں کھانے کو پھل دے تاکہ یہ لوگ تیرا شکر کریں۔ ادھر حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی والدہ ان کو دودھ پلاتی رہیں اور مشکیزہ کا پانی پیتی رہیں۔ جب پانی ختم ہو گیا تو ان کے بچے کو پیاس لگنی شروع ہو گئی۔ وہ بچے کو تڑپتا ہوا دیکھتی رہیں۔ آخر بچے کی حالت ان سے دیکھی نہ گئی اور وادی کی طرف یہ دیکھنے کے لئے چل پڑیں کہ کوئی آدمی نظر آئے۔ مگر کوئی نظر نہیں آیا۔ پھر صفا کی پہاڑی سے اتر کر وادی کے بیچ میں آئیں اور اپنا بازو اٹھا

کر اس طرح دوڑیں جیسے کوئی مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے۔ پھر مروہ کی پہاڑی پر چڑھ کر دیکھنے لگیں کہ کوئی آدمی نظر آتا ہے یا نہیں، مگر کوئی آدمی ان کو نظر نہیں آیا۔ یہ عمل انہوں نے سات مرتبہ (صفا اور مروہ کے درمیان) کیا۔ اسی درمیان حضرت ہاجرہ نے اپنے شیر خوار بیٹے کے رونے کی آواز سنی۔ ماں کا دل اور تڑپنے لگا۔ بیٹے کی آواز سن کر حضرت ہاجرہ پلٹ آئیں اور لخت جگر کو کلیجے سے لگا لیا۔ قدرت کا کرشمہ دیکھا کہ بیٹے کے پاؤں کے قریب ایک چشمہ بہہ رہا ہے۔ حضرت ہاجرہ پانی مشکیزے میں بھرنے لگیں۔ جیسے جیسے وہ پانی بھری جاتی تھیں پانی ابل ابل کر اوپر آتا جاتا تھا۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ اپنی والدہ کے ساتھ مکہ میں پروان چڑھتے رہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ان کی خبر گیری کے لئے وقتاً فوقتاً آتے رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ہزاروں میل کا سفر کیا۔ ہر جگہ یہی دیکھا کہ لوگ اللہ واحد کی عبادت کرنے کے بجائے بے جان بتوں، درختوں اور سیاروں کی پوجا کر رہے ہیں۔ آپ نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ ایک ایسا گھر تعمیر ہو جو توحید کا مرکز بنے، جہاں صرف اللہ واحد کی عبادت ہو۔ صحیح بخاری میں تعمیر کعبہ کے متعلق ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسماعیل ذبیح اللہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ انہیں اس حال میں پایا کہ وہ زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے تیر درست کر رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں مخاطب کیا اور کہا کہ اے اسماعیل تمہارے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے لئے ایک گھر تعمیر کروں۔ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نے جواب دیا کہ اس پر عمل کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ تم اس کام میں میرا ساتھ دو۔ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نے جواب دیا کہ میں تیار ہوں۔ دونوں گھر کی تعمیر میں لگ گئے۔ اسماعیل ذبیح اللہ پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے اور ابراہیم خلیل اللہ دیوار چنتے تھے۔ دونوں کعبہ کی دیواریں

اٹھاتے جاتے تھے اور خدا سے دعا کرتے جاتے تھے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم سورہ بقرہ، پارہ ۱، آیت ۱۲۷۔ اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے)۔ خداوند عالم نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہم السلام کی دعا قبول کی اور اسے ایسا شرف عطا کیا کہ اس میں صبح و شام اور رات دن ذکر الٰہی ہوتا ہے۔ لیکن کچھ خدا کے نافرمان بندے ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنے غرور و تکبر میں آ کر اسے مٹا دینا چاہا اور اس کی عظمت کو کم کرنا چاہا۔ اس فہرست میں تین نام مشہور ہیں۔ ایک ابرہہ، دوسرے یزید اور تیسرے عبد الملک بن مروان۔ ابرہہ یمن کا عیسائی بادشاہ تھا۔ اس نے حضرت عبد المطلب کے زمانے میں خانہ کعبہ کو مسمار کر دینے کا ارادہ کیا۔ اور بڑے بڑے ہاتھی لے کر حملہ آور ہوا۔ لیکن جب وہ خانہ کعبہ کے قریب پہنچا تو خدا نے اس پر ابابیل مسلط کر دی جو چھوٹی چھوٹی کنکریاں اپنے پنجوں میں لے کر ابرہہ کی فوج پر گرانے لگیں جس سے اس کا لشکر تباہ ہو گیا اور سب مارے گئے۔ ابرہہ نے جو کیا اس پر افسوس تو ہے کیونکہ وہ عیسائی مسلک کا تھا۔ افسوس تو ان مسلمانوں پر ہے جنہوں نے حکومت کی چاہت میں اسلامی روایات کو کچل کر ظلم و ستم کو روا رکھتے ہوئے خانہ کعبہ کو ڈھانے کی کوشش کی اور اس کی دیواروں کو شق کیا اور غلاف کعبہ میں آگ لگائی۔ جب بنی امیہ کے حکمراں خانہ کعبہ کو ڈھا نہ سکے تو ان کے ایک بادشاہ عبد الملک بن مروان نے چاہا کہ وہ بھی اپنی سلطنت کے حدود بیت المقدس میں ایک نیا خانہ کعبہ تعمیر کر دے کہ اصل خانہ کعبہ کا وقار ختم ہو جائے اور اس کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو عظمت مل جائے۔ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت والے کتنی ہی خرابیوں اور کفر و شرک میں مبتلا ہوں لیکن وہ حرم کی تعظیم و تکریم کو ایسا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے کہ کیسا ہی

دشمن کسی کو وہاں مل جائے حرم میں اس سے قصاص یا انتقام نہیں لیتے تھے۔ اسلام اور قرآن نے اس احترام کو اور زیادہ نکھارا اور تقویت پہنچائی۔ اس احترام کا خیال رکھتے ہوئے کہ حرم میں خون خرابہ نہ ہو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام نے ۶۰ ہجری میں حج کو عمرہ میں بدل ڈالا اور حج بیت اللہ کے چند روز قبل مکہ سے کوچ کر گئے۔ اس سفر میں آپ کے بھائی ''عباس'' جو ''ام البنین'' کے بطن سے پیدا ہوئے تھے وہ بھی شریک تھے۔

حضرت عباسؑ کا تعارف

حضرت عباس وہ ہیں جن کے خاندان کی طہارت اور حسب ونسب کی پاکیزگی کے متعلق کچھ کہنا گویا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مثل ہے۔ آپ کے خاندان کی شان بیان کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ آپ کا خاندان گوناں گوں فضائل ومناقب کی بنا پر تاریخ اسلام میں نہایت بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر فرد کے خدوخال میں اس کے آباؤاجداد کے خطوط ونقوش کی جھلک کم وبیش پائی جاتی ہے۔ ہر انسان کی خصلت اور ذہنیت اپنے اسلاف کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ یہ شئے اسے وراثت میں ملتی ہے۔ اگر کسی کے آباؤاجداد اور اسلاف اعلیٰ صفات کے مالک ہیں تو اس میں اچھائیاں کارفرما ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی کے آباؤاجداد برے ہیں اور مغرور ہیں تو اس میں برائیاں اور رعونت پیدا ہو جاتی ہے۔

آپ کے دادا

حضرت عباس کے جد بزرگوار حضرت ابوطالبؑ ابن عبدالمطلب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ تقریباً ۵۳۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ زمانہ عام الفیل سے

تقریباً تیس سال پہلے کا ہے۔ آپ کے نام کے سلسلے میں مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے آپ کا نام عمران بتایا ہے تو بعض نے عبد مناف۔ عرب میں رواج تھا کہ ہر ایک صاحب اولاد کو اس کی اولاد کے نام سے پکارتے تھے اور جو نام والدین رکھتے تھے اسے پکارنا ترک کر دیتے تھے۔ اسی لحاظ سے آپ کی کنیت ابو طالب ہوئی اور اسی کنیت سے معروف بھی ہوئے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ آپ کے القاب متعدد ہیں۔ آپ کے القاب میں سید البطحا، بیضۃ البلد، اور شیخ الاباطح مشہور ہیں۔ سید البطحی کے معنی ہوئے مکہ کا سردار۔ چونکہ آپ کو تمام قریشیوں میں سب سے زیادہ شرف، عظمت اور شہرت حاصل تھی اس لئے آپ کا لقب سید البطحی تھا۔ بیضۃ البلد کے معنی سردار کے ہیں۔ آپ مکہ کے سردار تھے۔ آپ کا رعب اور دبدبہ اہل مکہ پر اتنا حاوی تھا کہ آپ جو حکم دیتے تھے اہل مکہ فوراً بجالاتے تھے۔ غزوۂ احزاب (خندق) کے موقع پر عمرو بن عامری جب مارا گیا تو اس کی بہن اس خبر کو سن کر میدان جنگ میں غصہ میں بھری ہوئی آئی۔ لیکن دوسرے لمحہ ہی اس کا غصہ فرو ہو گیا جب اس نے دیکھا کہ قاتل نے عمرو کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور اس کی زرہ تک نہیں اتاری ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ اس کے بھائی کا قاتل کون ہے؟ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے بھائی کا قاتل علی ابن ابی طالب ہے تو اس نے فخر سے یہ شعر پڑھا "لكن قاتله من لا نظير له۔ و كان يدعى ابوه بيضة البلد (لیکن اس کا قاتل تو ایک ایسا شخص ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور اس کا باپ بیضۃ البلد کہلاتا تھا) روایتوں میں ہے کہ جب معاویہ خارجیوں کے ہاتھ قتل کیے جانے سے بچ گئے اور انہوں نے سنا کہ ابن ملجم نے حضرت علیؑ کو شہید کر دیا ہے تو یہ شعر پڑھا "بخوت وقد بل المرادی سيفه؛ من ابی ابی الشيخ الاباطح طالب" (میں تو قتل ہونے سے بچ گیا۔ لیکن ابن

ملجم مرادی (نامراد) نے اپنی تلوار سے شیخ الاباطح ابو طالبؑ کے فرزند کو خون میں تر کر ڈالا)

حضرت ابو طالبؑ حضرت عبد المطلب کے صاحبزادے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابو طالب بن عبد المطلب ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن معز بن نزار بن سعد بن عدنان بن آد بن اود بن ناحور بن یعور بن عرب بن یشجب ن بن ثابت بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام بن تارخ بن سارونغ ب ارمواء بن فانع بن عامر (ہودؑ) بن شالخ بن ارفحشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن انفوخ (ادریس) بن یزد بن مہائیل بن لعوف بن انوش بن شیث بن آدم۔ تاریخ نے جو سلسلہ نسب نام بہ نام شمار کرایا ہے اس اعتبار سے حضرت آدم سے حضرت عبد المطلب تک حضرت ابو طالب کے اجداد کی تعداد اٹھاسی ہوتی ہے۔ حضرت ابو طالب کے اجداد میں حضرت اسماعیل، حضرت ابراہیم، حضرت عابر یعنی ہود، حضرت شالخ یعنی صالح، حضرت نوح، حضرت اختوح یعنی ادریس، حضرت شیث اور حضرت آدم ایسے ہیں جو نبی گزرے ہیں۔

حضرت ابو طالب کے متعلق علماء کہتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اگر دنیا کا ایمان ایک پلے میں ہو اور ابو طالب کا ایمان دوسرے پلے میں تو ان کا پلہ بھاری ہوگا۔ کیونکہ وہ اسلامی بنیادوں کو مضبوط کرنے والے اور اسلام کو دنیا سے روشناس کرنے والے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ ابو سفیان، معاویہ، خالد بن ولید اور عمرو بن عاص بھی مسلمان تھے اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ ابوذر غفاری اور یاسر بن عامر بھی مسلمان تھے۔ مگر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ ابوذر غفاری اور

یاسر بن عامر کے اسلام کو ترجیح حاصل ہے، کیونکہ ان لوگوں نے اس دور میں اسلام قبول کیا تھا جب اسلام کی ہر طرف سے مخالفت ہو رہی تھی۔ ان حضرات نے کافی مشقتیں برداشت کی تھیں اور ابو سفیان، معاویہ، خالد بن ولید اور عمرو بن عاص وہ تھے جو اسلام کو ختم کر دینا چاہتے تھے اور اس کے لئے وہ مسلمانوں پر نت نئے ستم ڈھاتے رہتے تھے۔ لیکن بعد میں اسلام کی بڑھتی ہوئی شان و شوکت اور اپنی مسلسل شکست دیکھتے ہوئے ان لوگوں نے قہراً جبراً اسلام قبول کیا۔ دنیا حضرت ابو طالب کو مسلمان قبول کرے یا نہ کرے لیکن یہ مسلم حقیقت ہے کہ جب تحریک اٹھانے والا حسرت و یاس سے ایک ایک کا منہ دیکھ رہا تھا تو اس وقت حضرت ابو طالب ہی تھے جنہوں نے سہارا دیا اور گال پر گال رکھ کر نبی کو یقین دلایا کہ آپ ان کے ساتھ ہیں اور وہ جس طرح چاہیں اپنا کام کریں۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ چونکہ حضرت ابو طالب نے حضرت رسول کی پرورش کی تھی اور آپ کی ہر طرح سے نگرانی اور حفاظت کی تھی اس لئے آپ کی تمنا تھی کہ حضرت ابو طالب ایمان لے آئیں، مگر وہ ایمان نہ لائے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ حضرت رسولؐ کی تمنا اور خواہش خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ حضرت ابو طالب کا ایمان لانا ثابت و واضح ہے۔ ابو طالب مسلمان تھے اور مسلمان ہی رہے۔ حضرت ابو طالب سے ذوالعشیرہ کے موقع پر جب لوگوں نے تمسخرانہ انداز میں کہا تھا کہ لو اب اپنے ہی بیٹے کی اطاعت و پیروی کرو تو انہوں نے جواب میں کہا تھا رضیت باللہ ربا و بامن اخی بیاد بانبی علی وحباہ یعنی میں اللہ کے پروردگار اپنے بھتیجے کے نبی اور اپنے بیٹے علی کے وصی ہونے کو پسند کرتا ہوں۔

ہم اگر حضرت ابو طالب کی خدمات کا تجزیہ کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ابو طالب کا عقیدہ خدا کے متعلق ہر مومن کے ایمان سے بڑھ کر تھا۔ وہ رسول کی اس تحریک سے متفق تھے جو رسولؐ چلا رہے تھے۔ انہیں دین الٰہی سے اسی طرح شغف اور محبت تھی جس طرح ایک سچے مسلمان اور صاحب ایمان کو ہوتی ہے۔
جب حضرت ابو طالب کا وقت وفات قریب پہنچا تو انہوں نے سرداران قریش کو جمع کیا اور انہیں وصیت کی کہ میں تم کو ابو القاسمؐ کے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ بلا شبہ یہ ایسی بات لائے ہیں جس کو ہر دل مانتا ہے مگر زبان ملامت کے خوف سے انکار کرتی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں عرب کے فقیروں، درویشوں، کمزوروں اور ناتواں لوگوں کو جو ابو القاسمؐ کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ میں ان سرداروں کو بھی دیکھ رہا ہوں جو ابو القاسمؐ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان سب کے سر جھک گئے ہیں اور سب کے سب ذلیل و خوار اور حقیر بن گئے ہیں۔ وہ سب ابو القاسمؐ کی اطاعت اور فرماں برداری کر رہے ہیں۔ اے گروہ قریش ابو القاسمؐ سے بغض و عداوت چھوڑ کر ان سے محبت کرنے والے اور ان کی نصرت و حمایت کرنے والے بن جاؤ۔ خدا کی قسم! جو بھی ابو القاسمؐ کی پیروی کی راہ اختیار کرے گا اور ان کی متابعت کرے گا یقیناً وہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہوگا۔

حضرت ابو طالب کے اشعار حضرت ابو طالبؑ کے ایمان کی غمازی کرتے ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مخالفت کے ابتدائی دور میں جب حضرت رسول کا کوئی حامی نہیں تھا تو حضرت ابو طالب تمام قریش مکہ کے خاندان والوں سے کہا کرتے تھے "**الم تعلموا انا وجدنا محمدا نبیا کموسی خط فی اول کتب** ۔ یعنی تم (آثار نبوت دیکھ کر) نہیں جانتے کہ ہم نے محمدؐ کو ایسا ہی (صاحب کلمہ و کتاب و شریعت) پایا ہے جیسا کہ سابقہ کتب میں موسیٰ (صاحب کلمہ و کتاب و شریعت)

نبی تھے۔ دین محمدی کی تبلیغ اور اشاعت میں حضرت ابوطالب کا حصہ تمام قریشیوں میں سب سے نمایاں ہے۔ آپ تمام سرداران قریش کے قبیلوں میں جا جا کر دین محمدی اور اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے بنی عبد مناف کو دین محمد کی مخالفت سے روکنے کے لئے فرمایا'' فعبد مناف انتم خیر قومکم؛ فلا تشرکوا فی امرکم کل واغل ''یعنی اے عبد مناف کی اولاد تم تو اپنی قوم (قریش) کے اشراف میں سے ہو۔ تم اپنے دین میں (شریر لوگوں کو شریک نہ کرو) شرک نہ کرو۔ ایک موقع پر آپ نے اولاد قصی کو ہدایت کی اور کہا'' فابلغ قصیا ان سینشر امرنا؛ وبشر قصیابعدنا بالتخاذل ''یعنی اولاد قصی (قریش) کو یہ پیغام پہنچا دو کہ عنقریب ہمارا امر (دین محمد و دین اسلام تمام عالم میں) پھیل جانے والا ہے۔ وہ ہمیں چھوڑ کر یعنی دین اسلام سے منہ موڑ کر ذلیل ہو جائیں گے۔ سردار قریش عتبہ بن ربیعہ نے جب حضرت رسول کے دین کی مخالفت کی تو آپ نے اسے ابوجہل، ابوسفیان اور ولید بن مغیرہ جیسے حاسدوں اور مبغضین سے بچانے اور اسے ان لوگوں سے الگ کرنے کے لئے کہا''فعتبة لاتسمع بنا قول کاشح؛ حسود کذوب مبغض ذی وغاول'' یعنی اے عتبہ تو ہمارے بارے میں پھوٹ ڈالنے والے حاسدوں، کینہ ور اور جھوٹے آدمی کی باتوں میں نہ آ۔ اسود بن عبد یغوث نے جب مخالفت کی تو آپ نے کہا'' اطاعا ابیا و ابن عبد یغوثکم؛ و لم یرقبا فینا مقالہ قائل ''یعنی ابی اور عبد یغوث کے بیٹے (اسود) نے غلط لوگوں کی اطاعت کی اور ہمارے بارے میں کوئی نصیحت کی پرواہ نہیں کی۔ حضرت ابوطالب نے قریش مکہ کے دو خاندانوں بنی سہم اور بنی مخزوم کو حضرت رسول کے دین کی مخالفت کرتے دیکھا تو کہا'' و سہم و مخزوم تمالوا و البوا علینا العدا من کل طمل و

فاصل ''یعنی بنوسہم اور بنومخزوم جیسے لوگ ہماری مخالفت پر مائل ہیں اور ہمارے دشمنوں کو بھڑکاتے ہیں۔ ابوسفیان کو تکبر سے اینٹھتا ہوا دیکھا تو کہا'' ومر ابوسفیان عنی معرضا؛ کما مرتیل من عظام القاول' یعنی اور ابوسفیان تکبر و غرور کی وجہ سے مجھ سے منہ پھیر کر گزر جاتا ہے جیسے وہ کوئی بڑا آدمی ہو۔

اعلان بعثت کے بعد کفار مکہ جب حضرت رسول کے قتل پر مستعد ہو گئے تو حضرت رسول کی حفاظت حضرت ابوطالب نے ہی کی تھی۔ جب رات ہوتی تھی تو حضرت رسول کا بستر اسی جگہ لگتا تھا جہاں ہمیشہ لگتا تھا۔ مگر جب آدھی رات گزر جاتی تھی تو آپ حضرت رسول کو دوسری جگہ لے جا کر سلا دیتے تھے اور اپنے کسی بیٹے کو اسی جگہ پر سلا دیتے تھے کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو حضرت رسول بچ جائیں اور ان کی جگہ ان کا بیٹا ہلاک ہو جائے۔ ایسی مثال محبت اور قربانی کی ہمیں دوسری جگہ نہیں ملتی۔ یہ ساری جدوجہد حضرت رسول کی حفاظت اور نگہبانی کے لئے اس لئے تھی کہ آپ نے حضرت رسول کا اسلامی کلمہ تہہ دل سے پڑھا تھا، ورنہ آپ بھی ابولہب کی طرح اپنے بھتیجے کی مخالفت کرتے۔ چونکہ آپ نے اسلامی کلمہ تہہ دل سے پڑھا تھا اس لئے آپ ہر وقت خدا کی راہ میں اپنی اور اپنے فرزندوں کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ حضرت ابوطالب جن کے ایمان پر لوگ شک کرتے ہیں اگر وہ غور سے دیکھیں تو انہیں یہ محسوس ہوگا کہ حضرت ابوطالبؑ ہمارے نبی کریم کی حفاظت ایک چچا کی حیثیت سے نہیں کر رہے تھے بلکہ انہیں خدا کا نبی سمجھ کر کر رہے تھے ورنہ یہ قانون فطرت کے خلاف ہے کہ کوئی شخص اپنے بیٹے کے مقابلے میں اپنے بھتیجے کو ترجیح دے۔ حضرت ابوطالب جب تک زندہ رہے حضرت رسول کی حمایت و حفاظت کرتے رہے۔ یہ حضرت ابوطالب جیسے محافظ اور شفیق کی برکت تھی کہ حضرت رسول نے بیخوف

وخطر خدا کا پیغام لوگوں کو تک پہنچایا جس پر چل کر ہم آج فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ جب حضرت رسول کو آپ کی وفات کی اطلاع ملی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور اپنے بھائی علی سے کہا کہ جاؤ باپ کو غسل و کفن دے کر دفن کردو۔ خدا ان پر رحمت نازل کرے اور انہیں بخش دے۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت رسول تشریف لائے۔ آگے آگے جنازہ اور پیچھے پیچھے خود رسول۔ مضمحل چہرے سے آنسو بہہ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے چچا! آپ نے صلہ رحم کیا، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے مجھے پالا، میری ذمہ داری لی اور بڑا ہونے کے بعد بھی میری نصرت کی اور میرا ہاتھ بٹایا۔

آپ کی دادی

حضرت عباس کی دادی کا نام فاطمہ تھا جو اسد کی بیٹی تھیں۔ اسد ہاشم کے فرزند تھے، جو حضرت عبد المطلب کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بڑے تھے۔ مورخین کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالب نے حضرت فاطمہ بنت اسد سے نکاح کیا تو حضرت عبد المطلب نے اونٹ ذبح کروائے اور لوگوں کو سات دنوں تک کھانا کھلایا۔ حضرت فاطمہ بنت اسد کی فضیلت خدا کے نزدیک بہت زیادہ تھی۔ آپ کی فضیلت کا اندازہ اسی بات سے لگتا ہے کہ آپ کے ایک بیٹے کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی تھی۔ حضرت علی خانہ کعبہ کے اندر آپ کے بطن سے متولد ہوئے تھے۔ علامہ ابن شہر آشوب مناقب میں تحریر کرتے ہیں کہ جب حضرت علی کی ولادت کا وقت آیا تو حضرت فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ کے پاس آئیں اور کہا "پروردگار! میں تجھ پر اور ان رسولوں پر اور ان کتابوں پر ایمان لائی ہوں جو تیرے یہاں سے نازل ہوئی ہے۔ میں اپنے جد ابراہیم کے کلام کی تصدیق کرچکی ہوں۔ پس جس نے اس خانہ کعبہ کو بنایا ہے

اس کے حق کا تجھ کو واسطہ ہے اور جو مولود میرے بطن میں ہے اس کے حق کا بھی واسطہ ہے کہ وضع حمل کو مجھ پر آسان کردے"۔ یہ دعا کرتے ہی دیوار خانہ کعبہ شق ہوگئی اور حضرت فاطمہ بنت اسد اس میں داخل ہوگئیں اور چار دن بعد حضرت علی کو گود میں لے کر نکلیں۔

حضرت فاطمہ بنت اسد کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام قیلہ تھا جو عامر کی بیٹی تھیں۔ حضرت فاطمہ بنت اسد قریش کے معزز گھرانے میں پیدا ہوئی تھیں۔ اور اسی میں پروان چڑھی تھیں۔ حضرت ابوطالب آپ کو اللہ تعالیٰ نے چار فرزند اور تین لڑکیاں عطا کیں۔ لڑکوں کے نام طالب، عقیل، جعفر اور علی تھے اور لڑکیوں کے نام ام ہانی، جمانہ اور ربطہ تھے۔ آپ کو شعروشاعری سے بھی شغف تھا اور کبھی کبھی خود بھی شعر کہہ لیا کرتی تھیں۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ جو عورتیں سب سے پہلے مسلمان ہوئیں ان کی فہرست میں حضرت خدیجہ کے بعد آپ کا نام ہے۔ سنہ ۷ بعثت میں مشرکین قریش نے جب بنی ہاشم اور بنو عبد المطلب سے مقاطعہ کیا تو شعب ابی طالب میں مسلسل تین سال تک آپ نے بھی زہرہ گداز مصائب وآلام جھیلے۔ اس دور ابتلا میں آپ نے اپنے اہل کنبہ کے ساتھ کمال درجے کی ہمت اور استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔

سنہ ۱۰ بعثت میں جب حضرت ابوطالب نے وفات پائی تو حضرت رسول کی سرپرستی کی ذمہ داری آپ نے اٹھالی۔ آپ اپنے فرزندوں سے بھی بڑھ کر حضرت رسول پر شفیق تھیں۔ آپ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت ابوطالب کا دسترخوان بچھتا تھا تو آپ اپنے فرزندوں کے کھانے سے تھوڑا بچا کر رکھ لیتی تھیں۔ پھر دوسرے وقت جب حضرت رسول تنہا رہتے تھے تو انہیں کھلاتی تھیں۔ جب عام مسلمانوں کو

مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ملا تو آپ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں۔ سنہ ۴ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا اور جب حضرت علی نے اپنی والدہ کے انتقال کی خبر حضرت رسول کو دی کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا تو حضرت رسول نے فرمایا کہ علی! تمہاری ماں کا نہیں میری ماں کا انتقال ہوا ہے۔ فاطمہ بنت اسد کی رحلت کی خبر سن کر رسول خدا اس قدر ملول و محزون ہوئے کہ آپ کی چشم ہائے مبارک سے سیل اشک رواں ہونے لگے۔ آپ فوراً میت والے گھر تشریف لے گئے اور ابدی نیند سونے والی خاتون کے سرہانے کھڑے ہو کر کہنے لگے "اے میری ماں! خدا آپ پر رحم کرے۔ آپ میری ماں کے بعد ماں تھیں۔ آپ خود بھوکی رہتی تھیں مگر مجھے کھلاتی تھیں۔ آپ کو خود لباس کی ضرورت ہوتی تھی لیکن آپ مجھے پہناتی تھیں۔ اس پر آشوب دور میں جب مجھے دیوانہ اور ساحر کہا جاتا تھا آپ نہ صرف خود ایمان لائیں بلکہ آپ نے اپنے فرزند جعفر کو بھی کہا کہ بیٹے تم بھی اپنے ابن عم کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ آپ کے کہنے پر جعفرؓ میرے بائیں جانب کھڑے ہو گئے"۔

وقت دفن حضرت رسول نے حضرت علی کو اپنی قمیض مبارک دی اور ہدایت کی کہ انہیں میری قمیض کا کفن پہناؤ۔ پھر حضرت رسول نے اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاری، حضرت عمرؓ بن خطاب اور اپنے غلام اسود سے کہا کہ جنت البقیع میں جا کر قبر کھودیں۔ جب قبر کا اوپری حصہ کھدا گیا رسول خدا خود نیچے اترے اور اپنے دست مبارک سے لحد کھودی اور خود ہی اس میں سے مٹی نکالی۔ جب یہ کام پورا ہو گیا تو خود لحد کے اندر لیٹ گئے اور دعا مانگی اے اللہ! اے معبود اور اے وہ ہستی جو جلاتی ہے اور مارتی ہے اور جس کو موت نہیں آتی میری ماں کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو کشادہ فرما۔ تجھ کو اپنے نبی محمد اور ان انبیا کا واسطہ جو مجھ سے قبل گزر چکے ہیں۔ اے اللہ تیری

مخلوق میں ابوطالب کے بعد سب سے زیادہ میرے ساتھ نیکی کرنے والی تھیں۔ اے اللہ تو ان دونوں سے راضی ہو اور ان دونوں پر رحمت نازل فرما۔ رسول خدا جب دعا سے فارغ ہو گئے تو قرآن پڑھ کر قبر کے چاروں طرف پھونکا اور ستر تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھیں۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ ستر تکبیریں اس لئے کہیں کہ ان پر فرشتوں کی ستر صفوں نے نماز پڑھی تھی۔ قبر میں لیٹنے کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ فشار قبر سے محفوظ رہیں۔ قمیض کا کفن دینے کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس لئے پہنائی کہ جنت میں انہیں حلہ ملے۔ جس خاتون کو سید المرسلین ﷺ کی قمیض مبارک کا کفن ملا ہو اور جس کی آرام گاہ سے فخر موجودات ﷺ کا جسد اطہر مس ہوا ہو اس کے علو مرتبت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

آپ کے والد

حضرت عباس کے والد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام رسول خدا ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔ حضرت علیؑ کی پیدائش ۳۰ عام الفیل میں ہوئی تھی جب کہ رسول خدا کی عمر تیس سال چند ماہ تھی۔ حضرت علی کی پیدائش کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے جس کی مثال تاریخ عالم میں دوسری جگہ کہیں نہیں ملتی۔ حضرت علی کی پیدائش کے وقت آپ کی والدہ بجائے محلہ یا خاندان کی عورتوں کو بلانے کے خانہ کعبہ کی طرف چلی گئیں اور دیوار کعبہ سے مس ہو کر دعا کی اور کہا "اے پروردگار! میں تجھ پر اور ان رسولوں پر اور ان کتابوں پر ایمان لائی ہوں جو تیرے پاس سے نازل ہوئی ہے۔ میں اپنے جد ابراہیم کے کلام کی تصدیق کر چکی ہوں۔ پس جس نے اس خانہ کعبہ کو بنایا ہے اس کے حق کا تجھ کو واسطہ ہے اور جو مولود میرے بطن میں ہے اس کے حق کا بھی واسطہ ہے کہ وضع حمل کو مجھ پر آسان کر دے" یہ دعا کرتے ہی دیوار خانہ کعبہ شق ہو گئی اور حضرت

فاطمہ بنت اسد اس میں داخل ہو گئیں اور چار دن بعد حضرت علی کو گود میں لے کر نکلیں۔اندرون خانہ کعبہ پیدائش کا شرف ایک ایسا شرف ہے جو دنیا میں کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔۔رسول خدا نے جب حضرت علی کی پیدائش کے متعلق سنا تو آپ فوراً حضرت علی کی والدہ کے پاس آئے اور حضرت علی کو گود میں لے کر اپنی زبان حضرت علی کے منہ میں دے دی جسے حضرت علی نے ماں کا دودھ پینے سے پہلے چوسنا شروع کردیا اور سو گئے۔ بعدہ رسول خدا نے حضرت علی کو حضرت ابو طالب سے لے لیا اور خود حضرت علی کی پرورش کرنے لگے۔جب حضرت علی کا سن مبارک دس کو پہنچا تو رسول خدا پر وحی نازل ہوئی۔رسول خدا نے جب غار حرا کا واقعہ حضرت علی کو سنایا تو حضرت علی اسی وقت ایمان لے آئے۔حضرت علی وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور رسول خدا کے ساتھ نماز پڑھی اور خدا کی عبادت کی۔

حضرت علی کے دل میں رسول خدا کے لئے ایسی محبت تھی کہ انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ رسول خدا کو ذرہ برابر بھی تکلیف پہنچے۔مکہ میں جب کفار قریش نے رسول خدا کے سلسلہ میں مشورہ کیا کہ آپ کو قتل کردیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے رسول خدا کو ہجرت کا حکم دیا اور کہا کہ آج کی رات اپنے بستر پر آرام نہ کرو اور کسی دوسرے کو اپنی جگہ سلا دو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد مسئلہ یہ تھا کہ بستر رسول پر کون سوئے؟ اس کے لئے رسول خدا کی نگاہ حضرت علیؑ کی طرف گئی۔رسول خدا نے اس کا ذکر حضرت علیؑ سے کیا اور فرمایا" اے میرے بھائی مجھ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔تم چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ" حکم رسول کے بعد بغیر چوں وچرا کئے حضرت علی نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے نفس کو رسول خدا کی ذات مقدس کا فدیہ بنا کر سو گئے۔اسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کی شان اور مدح میں ومن الناس

من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ، واللہ رؤف بالعباد (لوگوں میں سے خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر بڑا شفقت والا ہے (سورہ بقرہ آیت ۲۰۷) آیت نازل کی۔

حضرت علیؑ نے ہمیشہ اپنی زندگی کو رسول خدا کی زندگی کے سامنے ہیچ سمجھا اور ہمیشہ اپنی زندگی پر رسول خدا کی زندگی کو ترجیح اور فوقیت دی۔ سنہ ۳ ہجری میں جنگ احد کے موقع پر کفار مکہ کے سردار خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل جب اپنی فوج کے ساتھ اسلام کی پشت درہ کی طرف داخل ہوئے اور تلواریں کھینچ کر مسلمانوں کو قتل کرنے لگے اور بہت سارے مسلمانوں کو شہید کر ڈالا اور مسلمان خوف سے بھاگنے لگے اور رسول خدا تنہا رہ گئے اور عنقریب تھا کہ آپ قتل ہو جاتے کہ علی دوڑ کر آپ کے پاس آئے اور اپنی جان پر کھیل کر تمام کافروں کو قتل کرتے ہوئے رسول خدا کی جان کی حفاظت کی۔ یہ ایک ایسا پر آشوب اور نفسی نفسی کا وقت تھا کہ رسول خدا لوگوں کو پکارتے تھے مگر آپ کی کوئی نہیں سنتا تھا۔ سب کو اپنی جان کی پڑی تھی۔ اسی طرح کا واقعہ سنہ ۸ ہجری میں حنین میں بھی پیش آیا تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد سولہ ہزار تھی جس پر مسلمانوں کو بڑا فخر اور ناز تھا۔ اس لشکر میں ہر قوم اور قبیلے کا علیحدہ علیحدہ علم تھا۔ جب لشکر اسلام مکہ سے نکل کر وادی کی طرف پہنچا تو راستہ تنگ ہونے کی وجہ سے لشکر کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف راہوں سے وادی میں داخل ہوا۔ کفار بنی ہوازن اور بنی ثقیف کا سردار مالک بن نصری جو گھات میں بیٹھا تھا اس نے تیر برسانا شروع کر دیا۔ اس وقت اس گروہ کی سرداری حال ہی میں بننے والے مسلمان خالد بن ولید کر رہے تھے۔ تیر کا مینہ دیکھ کر خالد بن ولید پر ایسا رعب طاری ہوا

کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ گئے۔ ان کے راہ فرار اختیار کرنے سے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ سب رسول خدا کو میدان جنگ میں تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں کا شکست کھا کر بھاگنا دیکھ کر رسول خدا نے بآواز بلند پکارنا شروع کیا۔ مگر کوئی نہ آیا۔ رسول خدا کو تنہا دیکھ کر بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے مشرکین رسول خدا کے قتل کا ارادہ کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ لیکن اسی درمیان حضرت علیؑ کی نظر رسول خدا پر پڑ گئی۔ حضرت علیؑ فوراً رسول خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی ذوالفقار سے مشرکین کو داخل جہنم کرتے ہوئے رسول خدا کے پاس پہنچے۔ حضرت علیؑ کو رسول خدا کے پاس گھمسان جنگ کرتے دیکھ کر کچھ مسلمانوں کو غیرت آئی اور وہ بھی حضرت رسول کی خدمت میں جمع ہو گئے اور مشرکین پر حملہ کر کے انہیں شکست دی۔

حضرت علی خدا اور رسول خدا دونوں کو محبوب تھے۔ مفسرین اور مورخین لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں حضرت علیؑ سے متعلق واقعات کا اشارہ ہے جس سے آپ کی فضیلت عیاں ہوتی ہے۔ ان آیتوں کی تعداد کا تعین کرنا محال ہے۔ پھر بھی ملاحظہ کے لئے چند آیتیں مذکور ہیں:

عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ: **الذین ینفقون اموالهم باللیل و النهار سرا و علانیة فلهم اجرهم عند ربهم و لا خوف علیهم ولاهم یحزنون** - جو لوگ اپنے مالوں کو دن میں اور رات میں پوشیدہ اور آشکارا طور پر راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر محفوظ ہے اور قیامت میں نہ تو ان پر کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے۔ (سورہ البقرہ آیت ۲۷۴) کی آیت حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضرت علیؑ کے پاس کسی وقت چار درہم تھے اور کچھ نہ تھا

ان میں سے ایک درہم آپ نے رات کو اور ایک درہم دن کو اور ایک درہم پوشیدہ اور ایک درہم ظاہر طور پر راہ خدا میں خیرات کر دیا تھا۔ جب اس کی خبر رسول خدا کو ملی تو آپ نے دریافت کیا کہ اے علی تم نے اس طرح کیوں کیا؟ عرض کی کہ خدا کا وعدہ پورا کرنے کے لئے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت آپ کی شان مبارک میں نازل کی۔

عبداللہ ابن عباس سے ایک اور روایت منقول ہے کہ ایک مرتبہ وہ چاہ زمزم کے کنارے بیٹھے رسول خدا کی حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک عمامہ پوش آدمی وہاں پر آیا۔ ابن عباس نے ان کو دیکھ کر احادیث بیان کرنے میں توقف کیا تو عمامہ پوش احادیث بیان کرنے لگا۔ ابن عباس نے فرمایا اے شخص میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ سچ بتا تو کون ہے؟ اس نے اپنا چہرہ کھول دیا اور کہا اے لوگو! جس نے مجھے پہچانا اور جس نے نہ پہچانا وہ پہچان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے حضرت رسول خدا سے ان دو کانوں کے ساتھ سنا ہے ورنہ یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اور ان دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے ورنہ یہ دونوں آنکھیں اندھی ہو جائیں۔ حضرت رسول خدا حضرت علیؑ کی شان میں فرماتے تھے کہ وہ نیکوکاروں کا پیشوا ہے اور بدکاروں کا قاتل ہے۔ فتح مند ہے وہ شخص کہ جس نے اس کی مدد کی اور چھوڑا گیا وہ کہ جس نے اسے چھوڑا۔ میں ایک روز حضرت رسول خدا کے ساتھ مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک سائل نے آکر سوال کیا، لیکن کسی نے اسے کچھ نہ دیا۔ سائل آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا "اے خدا گواہ رہنا۔ میں نے تیرے رسول کی مسجد میں سوال کیا تھا، مجھے کسی نے کچھ نہ دیا" حضرت علیؑ رکوع میں تھے۔ سائل کی طرف اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا۔ اس میں انگوٹھی تھی۔ سائل نے بڑھ کر اتار لی۔ یہ

ماجرا دیکھ کر حضرت رسول خدا نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی" اے میرے اللہ! میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے استدعا کی تھی کہ اے میرے پروردگار میرے سینے کو کھول دے اور میرے کام کو آسان بنا۔ میری زبان کی گرہ کھول تاکہ لوگ میری زبان سمجھ سکیں۔ اور میرے گھر کے لوگوں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا۔ اس کی وجہ سے میری پشت کو قوی کر اور اسے میرے کام میں شریک بنا۔ الٰہی میں محمدؐ ہوں اور تیرا برگزیدہ نبی ہوں۔ پس میرے سینے کو بھی کھول اور میرے کام کو آسان کر اور میرے گھر والوں میں سے علی کو میرا وزیر بنا۔ اور علی کی وجہ سے میری پشت کو قوی کر۔ ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ ابھی حضرت رسول خدا نے دعا ختم نہیں کی تھی کہ جبرئیل تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی **انما ولیکم اللہ و رسول الذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم راکعون** -اے ایمان والو! تمہارا سرپرست اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں، پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں (سورہ المائدہ آیت ۵۵)

صحابی رسول ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب **انما انت منذر و لکل قوم ھاد** -اے محمدؐ تم تو صرف ڈرانے والے ہی ہو اور ہر قوم کے لئے ہادی ہوتا ہے (سورہ الرعد آیت ۷) کی آیت نازل ہوئی تو میں نے حضرت رسول سے اس آیت کریمہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس امت کے ہادی علی ہیں۔ میں لوگوں کو ان کے برے اعمال کے نتائج سے ڈرانے والا ہوں اور علیؑ ہدایت کرنے والے ہیں۔ پھر علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہدایت حاصل کرنے والے علیؑ کے ذریعہ ہی ہدایت پائیں گے۔ اسی طرح ایک روایت حضرت امام باقر علیہ السلام سے بھی منسوب ہے کہ صراط مستقیم سے مراد علیؑ ابن ابی طالب کا راستہ ہے۔

کیونکہ رسول خدا ﷺ نے علیؑ ہی کے لئے متعدد احادیث میں فرمایا ہے کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے۔پس علی کا راستہ قرآن کا راستہ ہے اور قرآن کا راستہ علی کا راستہ ہے۔علی کا راستہ راہ حق ہے اور راہ حق علی کا راستہ ہے۔پس ایک دوسرے کو دعوت دے رہے ہیں اور دونوں میں کوئی جدائی نہیں ہے۔

اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ جب فان اللہ ھو مولہ و جبریل و صالح المومنین - بے شک اللہ ہی رفیق ہے اپنے نبی کا اور جبرئیل کا اور مومنوں کا (سورہ تحریم آیت ۴) کی آیت نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ صالح المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔حضرت رسول فرماتے تھے کہ اے گروہ مردم! جان لو کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ مجھ سے ہیں۔ان کی اولاد میری اولاد ہے۔وہ میری نور نظر جگر پارہ کے شوہر ہیں۔ان کا حکم میرا حکم ہے۔ان کی ممانعت میری ممانعت ہے۔لوگو! ان کی اطاعت کرنا اور ان کی نافرمانی سے بچنا۔علیؑ اس امت کے صدیق اور فاروق اور ہارون اور یوشع اور آصف اور شمعون ہیں۔وہ اس امت کے طالوت اور ذوالقرنین ہیں۔اے گروہ صحابہ علیؑ ابن ابی طالبؑ دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں۔ان کا دوست ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔اور ان کا دشمن اس سے نجات نہ پائے گا۔اور وہ جنت کے بھی تقسیم کرنے والے ہیں جس میں ان کا دشمن ہرگز نہ جائے گا اور ان کا دوست جنت سے کبھی نہ نکلے گا۔اے میرے احباب! میں نے تم کو خالص نصیحت کی ہے اور اپنے پروردگار کا پیغام تمہارے پاس پہنچا دیا ہے۔

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ علیؑ عباس اور طلحہ آپس میں بات کرنے لگے۔طلحہ نے کہا میں خانہ کعبہ کا متولی ہوں۔اگر میں چاہوں تو اس

میں رہا کروں۔ عباس نے کہا میں زمزم کا متولی اور نگہبان ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا میں نے لوگوں سے چھ ماہ پیشتر نماز پڑھی ہے۔ میں خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا ہوں۔ پس خدا نے یہ آیت نازل کی **اجعلتم سقاية الحاج و عمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله و اليوم الآخر و جاهد في سبيل الله لا يستون عند الله** ۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے ایمان کے برابر قرار دیا ہے جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اور اس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا ہو۔ خدا کے نزدیک یہ سب لوگ برابر نہیں (سورہ توبہ آیت ۱۹)

احادیث نبوی بیان کرنے والے لکھتے ہیں کہ رسول خدا کے نزدیک حضرت علیؑ کی قدر و قیمت تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تھی۔ احادیث نبوی سے حضرت علیؑ کی منزلت اور رفعت کا پتہ چلتا ہے کہ علی کتنے بلند مرتبہ اور افضل آدمی تھے۔ حدیث ترمذی کے مولف لکھتے ہیں کہ حبش بن جنادہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا **علي مني و انا منه ولا يودي مني الا انا و علي** ۔۔ یعنی علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ میری جانب سے کوئی عہد نہ کرے اور نہ کوئی معاہدہ کرے۔ مگر میں خود یا میری جانب سے علی۔ حدیث ترمذی میں ہی حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ آں حضرت نے فرمایا **العلي بن ابي طالب لا يحبك الا مومن ولا يبغضك الا منافق** ۔۔ یعنی علی سے منافق محبت نہیں کرتے اور مومن علی سے بغض و عداوت نہیں کرتے۔ ینابیع المودۃ اور ریاض النضر میں عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **من فارق عليا فارقني ومن فارقني فارق الله عزو جل** ۔۔ یعنی جس نے علی کو چھوڑا اس نے مجھ کو چھوڑا اور جس نے مجھ کو چھوڑا اس نے خدا کو چھوڑا۔ اسی قسم کی ایک اور حدیث کنز العمال میں ابوذر غفاری سے مروی ہے

کہ رسول خداﷺ نے فرمایا لعلی بن ابی طالب من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد اصاع اللہ ومن اطاعک فقد اطاعنی و من عصاک فقد عصانی --یعنی جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے اے علی تیری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے تیری نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

مولف ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں کہ اصابہ بن علی بن عبدالرحمٰن انصاری سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ سے کہتے سنا من احب علیا فی حیات و بعد موت کتب اللہ لہ الا من و الامان --یعنی جو علی سے اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد محبت رکھے گا اس کے لئے خدا امن وامان لکھ دے گا۔

تذکروں میں مذکور ہے کہ رسول خداﷺ فرماتے ہیں کہ علی کو تین فضیلتیں ایسی دی گئی ہیں کہ خلقت میں کسی کو نہیں دی گئیں حتیٰ کہ مجھے بھی نہیں دی گئی:

(۱) اول یہ کہ علی کو مجھ جیسا خسر دیا گیا اور میرا خسر مجھ جیسا نہیں

(۲) دوم یہ کہ میری بیٹی فاطمہ جیسی عورت اس کی بیوی ہے اور مجھ کو ایسی بیوی نہیں ملی۔

(۳) سوم یہ کہ علیؑ کو اپنے صلب سے حسنؑ اور حسینؑ جیسے فرزند عطا کئے گئے

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جو مرتبہ میں سب آدمیوں سے بڑھ کر ہے اور اس کی نسبت رسول خداﷺ سے زیادہ تر قریب اور ہم سب سے افضل ہے اس کو چاہئے کہ علی مرتضیٰ کی طرف نظر کرے۔ اسی طرح کی بات کنز العمال، صواعق محرقہ اور سنن ترمذی میں ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ علی کو رسول خداﷺ تمام دنیا میں سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور وہ

آں حضرت ﷺ کے محبوب ترین خلق تھے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ علی مرتضیٰؑ کی چار خصوصیات ایسی ہیں جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں:

(۱) علی نے عربوں اور عجمیوں میں سب سے پہلے رسول خدا ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔

(۲) علی ہی کا پرچم ہر مصیبت میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ رہا۔

(۳) علی ہی نے سختی کے وقت (جنگ احد) حضرت رسول کے ساتھ صبر کیا، جب کہ علی کے علاوہ سب لوگ فرار ہو چکے تھے۔

(۴) علی ہی نے حضرت رسول کو غسل دیا اور آپ نے ہی آں حضرت کو قبر میں اتارا۔

صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ معاویہ بن ابو سفیان نے انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت علی سے متعلق فحش کلامی کریں جس سے انہوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر معاویہ نے ان سے دریافت کیا کہ آخر تجھے ابوتراب کو فحش کہنے سے کون سی چیز مانع ہے؟ معاویہ کے اس سوال پر انہوں نے جواب دیا کہ علی کی تین فضیلتوں کو جب میں یاد کرتا ہوں جسے رسول خدا نے فرمایا تھا تو میری زبان فحش کلامی کے لئے گنگ ہو جاتی ہے۔ ان تین فضیلتوں میں سے اگر میرے پاس ایک بھی ہوتی تو میں اس کو سرخ اونٹوں کی نعمت سے زیادہ عزیز سمجھتا۔

(۱) آں حضرت ﷺ ایک غزوہ میں علی کو مدینہ میں چھوڑ کر جا رہے تھے تو علی نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ علی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ مجھ سے تمہاری نسبت وہی ہے جو

موسیٰ کو ہارون سے تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(۲) میں نے پیغمبر اسلام کو خیبر کے روز فرماتے ہوئے سنا تھا کہ کل میں علم ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہو اور اللہ اور رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہوں۔ پس ہم نے علم کا انتظار کیا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ علیؑ کو بلا کر لاؤ لہٰذا علیؑ کو بلایا گیا۔ اس وقت وہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آں حضرت ﷺ نے علیؑ کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور علم عطا کیا۔ پس علیؑ گئے اور اللہ نے انہیں کامیابی عطا کی۔

(۳) جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آں حضرت ﷺ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلایا اور فرمایا **اللھم ھوٴلاء اھل بیتی** - یعنی پروردگار یہی میرے اہل بیت ہیں۔

حضرت علیؑ کے مراتب طے کرنا ایک دشوار کن کام ہے۔ کچھ علماء جن کی آنکھوں پر جہالت اور تعصبات کے پٹے چڑھے ہوئے ہیں وہ حضرت علیؑ کی فضیلت کے متعلق قرآن کی آیات پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور لوگوں کو بہکاتے ہوئے قرآنی آیات کی غلط تعلیم دیتے ہیں اور ان آیات کا دوسرا مطلب نکالتے ہیں اور دوسرے اصحاب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جو حضرت علیؑ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہیں۔ ایسے علماء کے لئے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے خود سورہ توبہ کی پہلی دس آیتوں میں حضرت علیؑ کی فضیلت یہ کہہ کر طے کر دی ہے کہ اے رسول ان آیات کو چاہے تم خود لے کر مشرکین جن سے تم نے معاہدے کئے ہیں سنا دو یا اسے دو جو تمہارے جیسا ہو۔ تمام مفسرین قرآن شریف اس بات پر متفق ہیں کہ سنہ ۹ ہجری میں حج سے کچھ قبل سورہ توبہ کی ابتدائی دس آیتیں نازل ہوئیں۔ ان دس آیتوں کو حضرت

سول نے حضرت ابوبکرؓ کو دیا اور کچھ آدمیوں کو ساتھ کر کے حکم دیا کہ مکہ میں جا کر کفار و مشرکین کے مجمع عام میں پڑھ کر سنا دو۔ حضرت ابوبکرؓ روانہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل حکم خدا لے کر آئے کہ یہ ہر شخص کا کام نہیں۔ اس کے لئے یا تو تم خود جاؤ یا جو شخص تم جیسا ہو اسے بھیجو۔ آپ نے فوراً حضرت علی کو اپنے ناقے پر سوار کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ ان آیتوں کو ابوبکرؓ سے لے کر تم خود پڑھ کر سنا دو۔ حضرت علی کی ملاقات حضرت ابوبکرؓ سے مقام روحہ پر ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ لوٹ کر رسول خدا کی خدمت میں تصدیق کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے متعلق کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ آں حضرت نے فرمایا ہاں! مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ اس کا پیغام یا تو میں خود پہنچاؤں یا وہ پہنچائے جو میرا ایک جز ہو۔ اس واقعہ سے تعصب پرست حضرات کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت رسول سے (معاذ اللہ) کوئی غلطی ہوگئی جس کی اصلاح خدا نے فرمائی۔ بلکہ یہ پورا واقعہ بجائے خود ہدایت ہے ان کے لئے کہ کافی و وافی وشافی من جانب اللہ ہے کہ سب پر واضح رہے کہ علی نیابت رسول کے صحیح مستحق ہیں

آپ کی والدہ

حضرت عباس کی والدہ گرامی کا نام فاطمہ تھا جو ابوالمحل حزام کی بیٹی تھیں۔ فاطمہ کی والدہ لیلی بنت شہید تھیں۔ فاطمہ کی کنیت ام البنین تھی۔ بنین جمع ہے لفظ ابن کا بن عربی لفظ ہے جس کے معنی بیٹا کے ہیں۔ ام البنین کے معنی ہوئے بیٹوں کی ماں۔ آپ کی کنیت سے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ کچھ مورخین کہتے ہیں کہ جب عباس، عبد اللہ، عثمان اور جعفر پیدا ہو گئے تو آپ کی کنیت ام البنین قرار دی گئی۔ کچھ مورخین کہتے ہیں کہ آپ کے والد ابوالمحل حزام بن خالد نے پہلے ہی شگون کے طور پر آپ کی کنیت ام البنین قرار دی تھی کہ آپ کو صرف بیٹا ہی پیدا ہو۔ ابوالمحل

حزام کی تمنا تھی کہ خدا ان کی بیٹی کو بیٹوں کی ماں قرار دے۔

ام البنین کے چار اولاد ہوئیں۔ حضرت عباس کے تقریباً نو برس بعد عبداللہ پیدا ہوئے۔ عبداللہ سے دو سال بعد عثمان پیدا ہوئے۔ عثمان سے دو سال بعد جعفر پیدا ہوئے۔ یہ چاروں معرکہ کربلا میں اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ۱۰ محرم الحرام سنہ ۶۱ ہجری میں فرات کے ساحل پر شہید ہوئے۔ روایتوں میں ہے کہ جب کوئی آپ کو ام البنین کہتا تھا تو آپ بہت خوش ہوتی تھیں۔ لیکن واقعہ کربلا کے بعد جب کوئی آپ کو ام البنین کہتا تو آپ غمگین ہو جاتی تھیں۔ کہتی تھیں کہ اب مجھے ام البنین نہ کہو۔ میرے چار بیٹے تھے۔ مگر وہ چاروں شیر کربلا کی زمین پر اپنے آقا حسینؑ پر نثار ہو کر آرام کر رہے ہیں۔ بعد واقعہ کربلا آپ روزانہ حضرت عباس کے کمسن فرزند عبیداللہ کو ساتھ لے کر جنت البقیع جایا کرتی تھیں۔ وہاں پانچ قبروں کے نشان بناتی تھیں۔ ایک عباس کی، دوسرے عبداللہ، تیسرے عثمان، چوتھے جعفر، اور پانچویں امام حسینؑ کی۔ پھر کہتیں کہ کیا میں عباس کے لئے روؤں؟ کیا میں عبداللہ کے لئے روؤں؟ کیا میں عثمان کے لئے روؤں؟ کیا میں جعفر کے لئے روؤں؟ نہیں نہیں میں ان لوگوں کے لئے ہرگز نہ روؤں گی۔ اس لئے کہ ان کی ماں رونے کے لئے زندہ ہے۔ میں روؤں گی تو اس بچے کے لئے جس کی ماں رونے کے لئے زندہ نہیں ہے۔ اس کے بعد واحسینا! واحسینا! کہہ کر فلک شگاف نعرے بلند کرتی تھیں اور زار و قطار رونے لگتی تھیں۔ آپ کی آواز میں وہ درد ہوتا تھا کہ در و دیوار بھی گریہ کن ہو جاتے تھے۔ کیا دوست کیا دشمن سب رو پڑتے تھے۔ اور تو اور مروان بن الحکم جیسا شقی القلب اور دشمن آل رسول بھی آپ کے درد بھرے کلمات سے متاثر ہو کر رو پڑتا تھا۔ سچ یہ ہے کہ ماں کا دل بہت نرم اور نازک ہوتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کے مصائب و

آلام برداشت نہیں کرسکتی۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ ام البنین کو جب اپنے بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو آپ کا دل بھی شفقت مادری سے تڑپ اٹھا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ ابصار العین اور مفاتیح الجنان کے مصنف لکھتے ہیں کہ بطور مرثیہ آپ نے انتہائی گلوگیر آواز میں یہ چند اشعار پڑھے:

یا من رای العباس کبر ؛ علی جماهیر النقد

و دراہ من ابناء حیدر ؛ کل لیث ذی بعد

انبئت ان ابنی اصیب ؛ جراسہ مقطوع ید

ویلی علی شبلی اما ؛ ل براسہ ضرب العمد

لو کان سیفک فی ید ؛ یک لما ونامنک احد

(ترجمہ) اے وہ شخص جس نے میرے بیٹے عباس کو منتخب اور چیدہ (ٹڈی دل) جماعتوں پر حملہ آور دیکھا اور ان کے علاوہ شیر خدا جیسے بیٹوں کو (حملہ کرتے دیکھا ہے) جو شیر پیشہ شجاعت ہے (ذرا بتا تو سہی) مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ میری رگ جاں سے زیادہ عزیز تر فرزند عباس کا سر دونوں ہاتھوں سمیت کاٹا گیا ہے۔ ہائے کیا یہ سچ ہے۔ آہ آہ میرے شیر کا سر گرز آہنی کی ضرب سے جھک گیا تھا۔ اے میرے بہادر بیٹے (خدا کی قسم) مجھے یقین ہے کہ اگر تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تیرے نزدیک کوئی آنے کی جرأت کر نہیں سکتا تھا۔

ایک دوسرا مرثیہ ملاحظہ فرمائیں:

لاتدعون ویک ام البنین ؛ تذکرینی بلیوث العرین

کانت بنون لی ادعی بہم ؛ و الیوم اصبحت ولامن بنین

اربعۃ مثل نسور الربی ؛ تدوا صلوالموت بقطع الوتین

تنازع الخ صان اثلاتهم ؛ فکلھم اسی صریعا طعین

یا لیت شعری اکما اخبروا ؛ بان عباسا قطع الیمین

(ترجمہ) اے سرزمین مدینہ کی رہنے والیو! (خدا کے لئے) مجھے ام البنین کہہ کر نہ پکارو، اس لئے کہ میرے شیر دل (شہید شدہ نوجوان بیٹے) یاد آجاتے ہیں۔ ارے جب میرے بیٹے تھے تب میں اس نام سے پکارے جانے کی مستحق تھی۔ مگر افسوس کہ آج میرے کوئی فرزند نہیں ہے۔ (دراصل) میرے چار جلیل الشان بیٹے تھے، جو (جماعت امام حسینؑ میں) رگ گردن کٹا کر آغوش موت سے ہمکنار ہو گئے۔ ان بیٹوں کی اس طرح شہادت ہوئی کہ بھوک اور پیاس سے ان کے جوڑ بند خشک ہو گئے تھے۔ اے کاش مجھے کوئی صحیح صحیح بتا دیتا۔ کیا سچ مچ (ہمارے پیارے بیٹے) عباس کے ہاتھ شمشیر ظلم سے کاٹے گئے ہیں۔

ام البنین کی شادی کے متعلق مورخین بیان کرتے ہیں کہ ایک دن امام اول حضرت علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب نے اپنے بڑے بھائی عقیل جو انساب عرب سے بخوبی واقف تھے بلا کر یہ فرمائش کی کہ ایک ایسے خاندان کی لڑکی تجویز کیجئے جو نیک خصلت اور بہادران عرب کی نسل سے ہوتا کہ اس سے جو اولاد ہو وہ شریف، بہادر اور جنگ آزما ہو۔ حضرت عقیل نے کچھ غور کرنے کے بعد کہا کہ کلابیہ خاندان کے لوگ شجاعت اور بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ وہ لوگ نہ صرف شجاعت و بہادری میں یکتا ہیں بلکہ عزت و توقیر میں بھی یکتا ہیں۔ اس خاندان میں شادی کرلو۔ حضرت عقیل کے مشورے پر کلابیہ خاندان میں لڑکی ڈھونڈی گئی۔ اتفاق سے ابو المجل حزام کے یہاں ایک لڑکی شادی کے قابل پائی گئی۔ حضرت عقیل ابو المجل حزام کے گھر تشریف لے گئے اور امام اول کی خواہش بیان کی۔ ابو المجل حزام نے جو اپنی بیٹی کی

شادی کے لئے منتظر تھے فوراً ہاں کر دی۔ مگر اس سلسلے میں بیٹی کی رضامندی بھی لینی ضروری تھی۔ ابوالمجل حزام نے بیٹی سے امام اول کے پیغام کا اظہار کیا۔ بنت ابوالمجل حزام بخوشی حرم امام میں جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ بعد نکاح بنت ابوالمجل حزام جب حضرت علی کے گھر میں داخل ہوئیں تو آپ نے سب سے پہلے ڈیوڑھی کو بوسہ دیا اور پیشانی دہلیز پر رکھ دی۔ کسی نے پوچھا بی بی آپ اس گھر میں مالکہ بن کر آئی ہیں، چوکھٹ کیوں چوم رہی ہیں؟ جواب دیا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ گھر دختر رسول بی بی حضرت فاطمہ کا ہے۔ یہ گھر خاتون جنت کا ہے۔ یہ گھر حسنین کا ہے۔ یہ گھر مولائے کائنات کا ہے۔ اس کی چوکھٹ کو چومنا، اسے بوسہ دینا، میرے لئے شرف ہے۔ پھر گھر میں داخل ہو کر دریافت کیا کہ میرے شہزادے حسن اور حسین کہاں ہیں؟ کسی نے بتایا کہ دونوں بھائی بیمار ہیں اور حجرے میں آرام فرما رہے ہیں۔ بنت ابوالمجل حزام نے آہستہ سے حجرے کا دروازہ کھولا، حجرے میں داخل ہونے کے بعد پہلے ایک شہزادے کے تلووں کو چوما، پھر دوسرے شاہزادے کے تلووں کو چوما۔ حضرت حسنین کی آنکھیں کھل گئیں۔ حضرت حسین تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ کہا شہزادو! آپ ہماری تعظیم کو کیوں اٹھے؟ حسنین نے کہا کہ آپ ہماری ماں ہیں۔ کہا نہیں۔ میں ماں بن کر نہیں آئی ہوں۔ آپ کی ماں تو خاتون جنت ہیں۔ آپ میرے آقا اور میرے آقازادے ہیں۔ مجھے اپنی کنیزی میں قبول کر لیں۔ میں آپ کی خادمہ ہوں۔ میں آپ دونوں پر نثار ہو جاؤں۔ میں آپ کی خدمت کے لئے آئی ہوں۔ میں بدل وجان آپ کی خدمت کروں گی۔ پھر ان دونوں بیماروں کے چاروں طرف تین بار طلایہ پھریں اور بارگاہ الٰہی میں ان کی صحت یابی کی دعا کی۔

تاریخ داں اس بات پر خاموش ہیں کہ آپ کا سنہ ولادت اور آپ کا سنہ

وفات کیا ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ نے اس دار فانی میں کتنا عرصہ گزارا۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ کی شادی کس سن میں ہوئی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر شریف کیا تھی۔ لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ آپ کی شادی ۲۵ ہجری یا اس سے قبل ضرور ہوئی ہوگی۔ کیونکہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت عباس کی پیدائش ۲۶ ہجری کی ہے۔ بہر حال یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے امام اول حضرت علی کے ساتھ کم از کم ۱۵ سال ضرور گزارے ہوں گے۔ اس مدت میں آپ نے حضرت علی کے ساتھ ہر قسم کے روح فرسا مصائب کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور امام اول کی رفاقت اور جاں نثاری کا حق ادا کیا۔

حضرت ام البنین کی شادی اس پر آشوب دور میں ہوئی تھی جب حضرت علی نہایت ہی کرب و آہ اور بے چینی میں زندگی گزار رہے تھے۔ یہ وہ پر آشوب دور تھا جہاں ہر طرف انانیت، خود پرستی، خوشامد و تملق اور جاہ پسندی کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دور حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دور تھا۔ حضرت عثمان کا انتخاب شوریٰ کے ذریعہ ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے رحلت سے قبل چھ آدمیوں کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی۔ ان چھ آدمیوں میں ایک حضرت علی تھے۔ باقی حضرت عثمانؓ، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص تھے۔ تاریخ کہتی ہے کہ عبد الرحمن بن عوف نے خلیفہ کے انتخاب کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور لوگوں سے پوچھ گچھ اور غور وخوض کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کے نام کا اعلان کر دیا۔ حضرت علی کو حضرت عثمانؓ کے نام پر تعجب ہوا کیونکہ عام لوگ اور صاحب فہم لوگ آپ کے حق میں تھے۔ حضرت علی کی خلافت کی حق تلفی کا یہ تیسرا موقع تھا۔ ان حق تلفیوں سے حضرت علی کس حد تک متاثر ہوئے تھے اس کا اندازہ آپ کے اس خطبہ سے لگایا جا سکتا ہے ؛

جسے خطبہ شقشقیہ کہا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا

"خدا کی قسم! فرزند ابو قحافہ نے پیراہن خلافت پہن لیا۔ حالانکہ وہ میرے متعلق اچھی طرح جانتے تھے کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیل کا ہوتا ہے۔ میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلوتہی کر لی۔ مجھے اس اندھیرے پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا۔ لہذا میں نے صبر کیا۔ پھر انہوں نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے دیا۔ میں نے صبر کیا پھر ابن خطاب بھی ملک عدم کو سدھارے اور خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر دیا۔ مجھے بھی اس جماعت کا ایک فرد بنا دیا۔ ان میں سے ایک شخص کینہ وعناد کی وجہ سے مجھ سے منحرف ہو گیا اور دوسری طرف جھک گیا"

حضرت علی کی پریشانیوں کا ذکر کرنا محال ہے۔ حضرت علی کے اوپر مصیبتوں کا پہاڑ اس وقت اور بھی ٹوٹ پڑا جب مفسدین نے خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کو قتل کیا اور اس کا الزام حضرت علی کے سر تھوپ دیا۔ حضرت ام البنین نے عہد عثمانؓ کے بعد اٹھنے والے ہنگاموں اور فسادوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اسے محسوس کیا تھا۔ حضرت علی کے خلاف اٹھنے والا یہ ہنگامہ کوئی پہلا نہ تھا۔ بلکہ اس سے پہلے بھی کئی واقعات گزر چکے تھے۔ مگر اسکی شدت کا احساس ام البنین کو اس وقت نہ تھا کیونکہ اس وقت تک آپ حرم علی میں تشریف نہیں لائی تھیں۔ عہد عثمانی میں وہ تشریف لا چکی تھیں اور اپنی آنکھوں سے اپنے شوہر کی حق تلفی کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ عہد عثمانی میں عوام کی بے چینی کو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ حضرت عثمانؓ کی حکومت کی مخالفت مملکت اسلامیہ

کا تقرر بیا بر صوبہ کر رہا تھا۔ چاروں طرف سے لوگ مدینہ پہنچ رہے تھے اور اپنی اجتماعی طاقت سے کام لے کر حضرت عثمانؓ کو معزول کر دینا چاہتے تھے۔ اس پر آشوب دور کی تصویر کشی حضرت علی نے اپنے خطبہ شقشقیہ میں کچھ اس طرح کی ہے:

"ابن عفان اور ان کے بھائی بند نے اللہ کے مال کو اس طرح نگل لیا جس طرح اونٹ فصل ربیع کا چارہ چرجاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ اس کی بداعمالیوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ کر دیا جو میری جانب بجو کے ایال کی طرح ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ عالم یہ ہوا کہ حسنؓ وحسینؓ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے۔ وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کی وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور مجھے اس بات کا پاس نہ ہوتا جو اللہ تعالیٰ نے علماء وحکماء سے وعدہ لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون وقرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور ہرگز نہ سنبھالتا۔ مگر اس کے باوجود جب میں امر خلافت کو لے کر اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی اور دوسرا دین سے نکل گیا اور تیسرے گروہ نے فسق اختیار کیا"

ام المومنین نے عہد عثمانؓ کے بعد حضرت علی کا دور خلافت دیکھا جو شریروں اور بدعنوانوں کی شرارتوں اور بدعنوانیوں کے پیدا کیے ہوئے ہنگاموں میں

گزرا۔عہد عثمان میں جو ناشدنی اور ناگوار حالات پیدا ہو گئے تھے ان حالات کو رو بہ اصلاح کرنے اور پہلی حالت پر دوبارہ قائم کرنے میں حضرت علی کو بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔اس اصلاح میں بنو امیہ کے قبیلے کے لوگ آڑے آرہے تھے۔بنو امیہ کے لوگ خود کو عرب کا سردار اور بنو ہاشم کو اپنا رقیب سمجھتے تھے۔معاویہ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کو حضرت علی کی مخالفت کا بہانہ بنایا۔حضرت عثمانؓ کے خون آلود کرتے اور ان کی اہلیہ نائلہ کے ہاتھوں کی انگلیوں کو دمشق کی مسجد کے منبر پر رکھوایا تا کہ ہر شخص کی نگاہ اس پر پڑے۔روزانہ لوگوں کے سامنے حضرت عثمانؓ کی مظلومیت کے تذکرے کئے جانے لگے اور حضرت علی پر ذمہ داری ڈالی جانے لگی اور لوگوں کو قصاص طلب کرنے پر اکسایا جانے لگا۔حضرت ام البنین یہ سب دیکھ رہی تھیں اور سب محسوس کر رہی تھیں کہ کس طرح حضرت عثمان کا قصاص لینے کا جذبہ لوگوں میں ابھارا جا رہا ہے اور لوگوں کو ان کے خاوند حضرت علی کے خلاف بھڑکایا جا رہا ہے۔حضرت علی کو تنگ و پریشان کرنے کے لئے کوئی ایسا قدم باقی نہیں چھوڑا گیا جس سے آپ کو اذیت نہ پہنچے۔ایسے نامساعد اور برے حالات میں حضرت علی جب بھی گھر لوٹتے تھے تو ام البنین آپ کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی تھیں۔آپ کہتی تھیں کہ اللہ آپ کے ساتھ ہے۔آپ ہرگز مضمحل اور فکر مند نہ ہوں۔آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ آپ سچ بولتے ہیں۔آپ حق ہیں۔قرآن آپ کے ساتھ ہے۔آپ غریبوں کے دستگیر ہیں۔آپ مہمان نواز ہیں۔آپ صلہ رحم کا خیال رکھتے ہیں۔آپ امانت گزار ہیں آپ دکھیوں کے خبر گیر ہیں۔جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ نہروان اور خارجیوں اور بنی امیہ کی فتنہ پردازی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت ام البنین نے کیسے نامساعد حالات میں امام اول حضرت علی کا ساتھ دیا تھا۔

حضرت ام البنین کی یہی ہمدردی، دل سوزی اور جاں نثاری تھی کہ حضرت علیؑ آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اور بنت رسولؐ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بعد آپ کو اپنی ازواج میں سب سے زیادہ چاہتے تھے۔

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد ام البنین نے حضرت امام حسنؑ کا دور دیکھا۔ یہ دور بھی کم دل گداز نہ تھا۔ سارے مسلمان اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ آں حضرت ﷺ، حضرت امام حسنؑ سے بے حد محبت فرماتے تھے، مگر اس کے باوجود شرارت پیشہ لوگوں نے آپ کی کوئی قدر نہ کی اور آپ کو ہمیشہ طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ حضرت امام حسنؑ نے جب امارت و خلافت کو ٹھوکر مار کر تخت و سلطنت معاویہ کے حوالے کر دیا تو وہ حریص جو امام حسنؑ کے خیمے کے تھے اور آپ کی خلافت سے بہت امیدیں لگائے بیٹھے تھے آپ کو برے ناموں سے یاد کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کو مذل المومنین (یعنی مسلمانوں کو رسوا کرنے والے) بھی کہہ ڈالا۔ حضرت ام البنین کی نظر سارے حالات پر تھی۔ آپ دیکھ رہی تھیں کہ اہل عراق کی کمزوریوں سے کس طرح معاویہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اہل بیت رسول کو رسوا و ذلیل کر رہے ہیں۔ حضرت امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر کے چاہا تھا کہ مسلمانوں کے دو ٹکڑوں کو آپس میں ملا دیا جائے، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ مفسدین اپنا کام کرتے رہے۔ صلح حسنؑ کے بعد معاویہ نے اپنی بجز اس مٹانے کے لئے حضرت علیؑ پر کھلم کھلا سب و شتم شروع کر دیا اور ان کے چاہنے والوں اور ہمدردوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جس سے اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ام البنین پر اس وقت کیا گزر رہی ہوگی۔ جب ان کے شوہر اور گود کے پروردوں پر سب و شتم کیا جا تا رہا ہوگا۔ اس وقت آپ پر کیا گزری ہوگی جب جوانان بہشت کے سردار حضرت امام حسنؑ کا لاشہ پہلوئے رسول میں دفن

ہونے سے روکا گیا اور معاویہ کے ہوا خواہوں نے آپ کے جنازے پر تیر برسائے ہوں گے۔ اگر معاویہ نے کھلم کھلا علی۔ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ پر سب وشتم نہ کیا ہوتا اور ان کے چاہنے والوں کو قتل نہ کیا ہوتا تو یقیناً آج اسلام کے دو ٹکڑے نہ ہوتے۔

حضرت ام البنین نے حضرت امام حسنؑ کے بعد حضرت امام حسینؑ کا دور دیکھا۔ یہ دور پچھلے تمام ادوار سے بھی زیادہ پر آشوب تھا۔ حضرت علیؑ کی مخالفت کا وہ بیج جو حاسدوں نے رسول کی زندگی میں بویا تھا اب وہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا تھا جس کی شاخیں ہر طرف پھوٹ چکی تھیں۔ معاویہ نے صلح حسنؑ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو جب ملت اسلامیہ کا خلیفہ نامزد کر دیا تو وہ اس کی بیعت لینے کے لئے سنہ ۵۶ ہجری میں مدینہ آئے اور حضرت امام حسینؑ پر زور ڈالا کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں۔ حضرت امام حسینؑ نے جب انکار کیا تو وہ انہیں ڈرانے دھمکانے لگے۔ ام البنین کو جب معلوم ہوا کہ معاویہ نے حسینؑ کو دھمکی دی ہے تو آپ بپھرے ہوئے شیر کی طرح گرجنے لگیں کہ کس کی مجال ہے جوان کے رہتے ہوئے حسینؑ کو چھو دے۔ آپ نے معاویہ کے اس رویہ کی سختی سے مخالفت کی کہ معاویہ کو مجبور ہو کر لوٹنا پڑا۔

رجب ۶۰ ہجری میں معاویہ کی رحلت کا واقعہ پیش آیا۔ معاویہ کی رحلت کے بعد معاویہ کی وصیت کے مطابق یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت امام حسینؑ سے بیعت کی ضد کی۔ یزید کا خط حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کے پاس پہنچا جو ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بھتیجہ تھا۔ ولید بن عتبہ گرچہ ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بھتیجہ تھا مگر وہ حضرت امام حسینؑ کی عظمت وشخصیت کا احترام کرتا تھا۔ اس نے مروان بن الحکم (جو اس سے پہلے مدینہ کا حاکم تھا) کے مشورے

پر حضرت امام حسینؑ کو اپنے محل میں بلوایا اور یزید کا پیغام سنایا۔ حضرت امام حسینؑ کے انکار بیعت پر مروان نے ولید کو قتل کا مشورہ دیا۔ مگر ولید جو امام حسینؑ کی عزت کرتا تھا اس نے مروان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور حضرت امام حسینؑ کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت امام حسینؑ واپس اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے اور سارا واقعہ محل کا اپنے اعزا اور مخصوصین کو سنایا۔ ام البنین نے بھی پورا واقعہ سنا اور آپ نے حضرت امام حسینؑ کی دلجوئی اسی انداز میں کی جس طرح آپ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی فرمایا کرتی تھیں کہ آپ پاکیزہ اخلاق اور ستودہ صفات ہیں۔ آپ صادق ہیں۔ آپ غریبوں کے دستگیر ہیں۔ آپ مہمان نواز ہیں۔ آپ صلہ رحم کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ امانت گزار ہیں۔ آپ کی حفاظت خدا کرے گا۔ یزید نے اگر آپ کے ساتھ بدسلوکی کی تو وہ خود فنا ہو جائے گا۔ حضرت امام حسینؑ نے حضرت ام البنین اور دوسرے اعزا سے مشورہ کر کے مدینہ کی فضا کو ناخوش گوار محسوس کرتے ہوئے امن کی خاطر مکہ معظمہ کا رخ اختیار کیا کہ وہ جگہ جائے امان ہے۔ وہاں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ لہٰذا مکہ معظمہ کے لئے کوچ کر گئے۔ رخصت مدینہ کے وقت ام البنین نے اپنے چاروں فرزند کو ایک طرف بلایا اور انہیں ہدایت کی کہ ماحول پر آشوب ہے اور ہر طرف دشمن تمہارے آقا کی گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ ہر وقت اپنے آقا کے پیچھے سائے کی طرح لگے رہنا۔ لمحہ بھر کے لئے بھی غفلت نہ کرنا کہ دشمنوں کو موقع مل جائے اور وہ اپنا کام کر ڈالیں۔ ام البنین رخصت کے وقت حضرت امام حسینؑ کا چہرہ دیکھ کر روتی جاتی تھیں اور بارگاہ الٰہی میں دعا کرتی جاتی تھیں کہ اے اللہ! تو میرے آقا کی حفاظت کر۔ ان کی سرپرستی سے محروم نہ کر اور ان کی صورت پھر دکھا۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ روز عاشور بعد شہادت امام حسینؑ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں رحمت دو عالم کو پریشان حال دیکھا اور حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر لگی تو

آپ بے اختیار رونے لگیں۔ ام المومنین کا گریہ سن کر ام البنین بھی رونے لگیں اور باٰواز بلند فرمایا کہ عراقیو نے یزید کے ساتھ مل کر حسین کو قتل کر دیا۔ اے اللہ! میری روح کو حسین کے پاس پہنچادے۔ اب زندہ رہنے کا کوئی مزہ نہیں۔ جب میرے آقا نہیں تو یہ کنیز زندہ رہ کر کیا کرے گی۔

ام البنین ایک عام عورت تھیں اور ایک عام گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، مگر جس گھرانے میں زوجہ بن کر آنے کا شرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا اس کی شان اور اس کی عظیم ذمہ داریوں کو آپ نے سمجھا۔ آپ نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی وجہ سے آپ کے خاوند کی خانگی زندگی تلخ ہو جائے اور اس کا اثر اس کار عظیم پر پڑے جو اللہ تعالیٰ آپ کے خاوند سے لے رہا تھا۔ ام البنین نے شادی کے بعد خود کو عام عورتوں کی طرح اور اپنے گھر کو عام گھروں کی طرح نہیں سمجھا۔ آپ کو ہر وقت اپنے شوہر کی ناموس و عزت کا خیال رہتا تھا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے سورہ تحریم کی پانچویں آیت میں ایک اچھی بیوی کا ذکر کیا ہے۔ وہ ارشاد فرماتا ہے کہ اچھی بیوی وہ ہے جو سچی مسلمان ہے، باایمان ہے، اطاعت گزار ہے، توبہ گزار ہے، عبادت گزار ہے اور روزہ دار ہے۔ مذکورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بیویوں کی اولین صفت یہ ہے کہ وہ سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین پر ایمان رکھے اور عملاً اچھے اخلاق و عادات و خصائل اور برتاؤ میں اللہ کے دین کی پیروی کرنے والی ہو۔ اطاعت گزار دوسری صفت بتائی گئی ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک اللہ اور اس کے رسول کی تابعدار اور دوسرے اپنے شوہر کی فرمان گزار۔ توبہ گزار سے مراد ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ سے اپنے قصوروں کی معافی مانگنے والی ہو اور اسے ہر وقت اس بات کا احساس ہو کہ کہیں اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ اس کا ضمیر ہمیشہ بیدار رہے اور اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ اپنی

کمزوریوں اور لغزشوں پر شرمندہ رہے اور توبہ واستغفار کرے۔ عبادت گزار سے مراد ہے کہ وہ ہمیشہ حدود الٰہی کی پابند رہے اور خدا کی عبادت کرتی رہے۔ اگر وہ حدود الٰہی سے تجاوز کرے گی تو وہ قرآن کی رو سے ظالم کہلائے گی۔ آخری صفت روزہ دار کی ہے۔ اہل سیر لکھتے ہیں کہ ام البنین میں وہ تمام صفات موجود تھیں جن کا ذکر مذکورہ بالا سورہ میں کیا گیا ہے۔

حضرت ام البنین نہایت رحمدل اور سخی عورت تھیں۔ جو کچھ آپ کے ہاتھ آتا تھا اسے آپ نہایت دریادلی سے حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ فقیروں اور مسکینوں کی امداد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتی تھیں۔ بھوکوں کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ آپ بہت پاکیزہ اخلاق کی حامل تھیں۔ ام البنین تاریخ اسلام کے ان معدودے چند ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے ہر موقع پر بے پناہ عزم واستقلال اور جرأت ایمانی کا مظاہرہ کیا۔ بلاشبہ ام البنین تاریخ اسلام کی ایک مہتم بالشان شخصیت ہیں اور آپ کا درخشندہ وتابندہ کردار مسلمانوں کے لئے تاابد مشعل راہ بنا رہے گا۔

باب-۲

علیؑ کے بیٹے حضرت عباسؑ کا خاندان

اس باب میں ہم

حضرت عباسؑ کے

بھائی ، بہن ، زوجہ اور اولاد

کے متعلق گفتگو کریں گے

آپ کے بھائی:

حضرت عباس خود سگے چار بھائی تھے۔انہیں اپنی کوئی سگی بہن نہ تھی۔ لیکن آپ کے والد نے مختلف اوقات میں نو عورتوں سے نکاح کیا تھا۔ان نو عورتوں سے بعض کے مطابق دس بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں، بعض کے مطابق بارہ بیٹے اور سولہ بیٹیاں اور بعض کے مطابق چودہ بیٹے اور سترہ بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں۔ان کے علاوہ کنیزوں سے بھی چند اولادیں پیدا ہوئی تھیں۔حضرت علیؑ کے بیٹوں میں کربلا میں حضرت امام حسینؑ کو چھوڑ کر آٹھ بیٹے راہ حق میں شہید ہوئے تھے۔ان شہدا میں حضرت لیلیٰ بنت مسعود، دارمیہ کے دو بیٹے عبید اللہ اور ابو بکر، حضرت اسماء بنت عمیس کے دو بیٹے محمد الاصغر اور یحییٰ، ام البنین حضرت فاطمہ بنت ابوالمحل حزام کے چار بیٹے عباسؑ، عبداللہؑ، عثمانؑ اور جعفرؑ۔ آخر الذکر چاروں یعنی عبداللہؑ، عثمانؑ اور جعفرؑ حضرت عباسؑ کے سگے بھائی تھے۔ان بھائیوں میں عبداللہ جن کی کنیت ابو محمد تھی کربلا میں حق کا ساتھ دیتے ہوئے یزیدی لشکر کے گیارہ سپاہیوں کو قتل کرتے ہوئے ہانی بن ثبیت حضرمی کی تلوار سے شہید ہوئے۔دوسرے بھائی جعفر نو آدمیوں کو قتل کرتے ہوئے ہانی بن ثبیت حضرمی کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔تیسرے بھائی عثمانؑ بھی راہ حق میں جہاد کرتے ہوئے خولی ابن یزید اصبحی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔حضرت لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ کے صاحبزادوں میں عبید اللہ اور ابو بکر بھی روز عاشورہ اپنی جواں مردی اور حق کا ثبوت دیتے ہوئے دس دس یزیدی لشکر کے سپاہیوں کو قتل کرتے ہوئے عبداللہ بن عقبہ غنوی کے تیر کے شکار ہوتے ہوئے شہید ہو گئے۔حضرت اسماء بنت عمیس کے بیٹوں میں محمد الاصغر اور یحییٰ بھی روز عاشور درجنوں یزیدی لشکر کے سپاہیوں کو قتل کرتے ہوئے قبیلہ بنی ابان بن دارم کے ایک شخص کے تیر کا شکار ہو گئے۔

حضرت عباس کے بھائیوں میں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے بعد سب سے زیادہ شہرت خولہ بنت جعفر کے بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے محمد الاکبر یعنی محمد بن حنفیہ کو حاصل ہوئی۔ محمد الاکبر کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ آپ کا شمار سربرآوردہ اور ممتاز قائدین اور بزرگوں میں ہوتا ہے۔ آپ بہت بہادر اور صاحب قوت تھے۔ فصاحت بیان میں ممتاز تھے۔ کتاب اللہ اور سنت نبوی کے بڑے عالم تھے۔ جنگ جمل میں آپ ہی اپنے والد کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ جنگ جمل کے دوران آپ نے مروان بن الحکم کو زمین پر پٹک دیا تھا اور اس کے سینے پر چڑھ گئے تھے۔ آپ اس کے قتل کا ارادہ کر چکے تھے کہ اس نے خدا کی دہائی دی اور بہت عاجزی کی تو آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ جب عبداللہ بن زبیر کا دور شروع ہوا تو عبداللہ بن زبیر نے بہت چاہا کہ بیعت لے لیں۔ مگر آپ نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت نہیں لی۔ اس سے عبداللہ بن زبیر آپ سے خفا ہو گئے اور آپ کے خاندان کے پیچھے پڑ گئے۔ لیکن بعدہ عبداللہ بن زبیر شام کے حاکم عبدالملک بن مروان کی فوج سے شکست کھا کر مارے گئے۔ محمد بن حنفیہ کی پیدائش ۱۶ ہجری میں دور خلافت دوم میں ہوئی تھی اور وفات پینسٹھ سال کی عمر میں پہلی محرم سنہ ۸۱ ہجری میں دور حکومت عبدالملک بن مروان طائف میں ہوئی۔ آپ کی لاش طائف سے مدینہ لائی گئی اور آپ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کی اولاد میں جلیل القدر علماء، مشائخ، صوفیا اور مصلح و مجاہد پیدا ہوئے ہیں۔

آپ کی بہنیں:

آپ کی بہنوں میں حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سے دو بہنیں زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ، صہبا بنت ربیعہ سے ایک بہن رقیہ کبریٰ، سعید بنت عروہ سے تین

بہنیں ام الحق، رملۃ الکبریٰ اور ام کلثوم صغریٰ پیدا ہوئیں۔ حضرت زینب الکبریٰ کی شادی عبد اللہ ابن جعفر اور جناب ام کلثوم الکبریٰ کا عقد محمد ابن جعفر سے ہوا تھا۔ رقیۃ الکبریٰ اور عمر دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ رقیۃ الکبریٰ کی شادی مسلم بن عقیل سے ہوئی تھی۔ رقیۃ الکبریٰ مدینہ سے اپنے شوہر مسلم بن عقیل اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ۲۸؍ رجب ۶۰ ہجری کو مکہ تشریف لائیں۔ حضرت مسلم بن عقیل جب مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ کر دیئے گئے تو آپ اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ مکہ میں رہ گئیں۔ مکہ سے کوفہ روانگی کے وقت آپ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ہو لیں۔ راستے میں بمقام ثعلبہ آپ کو اپنے شوہر کی شہادت کی خبر ملی۔ کربلا پہنچ کر روز عاشور آپ نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ بن مسلم بن عقیل کو امام پر نثار کر دیا۔ پھر اسیری میں دونوں بہنوں زینب و ام کلثوم کے ساتھ روح فرسا مصائب و آلام کا مقابلہ کرتی رہیں اور رہائی کے بعد مدینہ واپس آگئیں اور وفات کے بعد جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حضرت عباس کی بہنوں میں سب سے زیادہ شہرت حضرت فاطمہ زہرا کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کو حاصل ہے۔ حضرت زینب کا سنہ ولادت ۵ ہجری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی پیدائش کے وقت رسول خدا مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ تین دن بعد تشریف لائے تو سیدھے حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف لے گئے۔ بچی کو گود میں لیا اور بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر دہن مبارک میں کھجور چبائی اور لعاب مبارک بچی کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد آپ نے نام زینب رکھا اور فرمایا کہ یہ شبیہ خدیجہؓ ہے۔

حضرت زینب تاریخ اسلام کی ایسی شخصیت ہیں کہ جن کے علم و فضل، ذہانت و فطانت، فصاحت و بلاغت، حق گوئی و بیباکی، تسلیم و رضا اور صبر و استقامت کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ آپ نے اتنی مصیبتیں جھیلیں

کہ آپ کی کنیت ام المصائب ہوگئی۔ باب العلم سیدنا حضرت علیؑ سے آپ نے تعلیم و تربیت حاصل کی اور آپ نے بھی اپنے والد کے علم اور اوصاف سے خوب خوب استفادہ کیا یہاں تک کہ آپ زہد و تقویٰ، عقل و فراست، حق گوئی و بیباکی، عفت و عصمت اور عبادت و شب بیداری میں حضرت فاطمہ زہرا کا نمونہ بن گئیں۔ اس لئے آپ کو ثانیہ الزہرا، صدیقۃ الصغریٰ، زاہدہ فاضلہ، عاقلہ کاملہ، عالمہ عابدہ کہا جاتا ہے۔ آپ کا نکاح حضرت علیؑ کے بھائی شہید موتہ جعفر طیار کے فرزند دلبند عبداللہ سے ہوا تھا۔ سنہ ۳۷ ہجری میں حضرت علیؑ نے جب اپنے عہد خلافت میں کوفہ کو دار السلطنت بنایا تو آپ بھی اپنے شوہر کے ساتھ چلی آئیں۔ سنہ ۴۰ ہجری میں بعد شہادت حضرت علیؑ جب آپ کے بھائی امام حسنؑ کوفہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تو آپ بھی امام حسنؑ کے ساتھ مدینہ چلی آئیں۔ سنہ ۶۰ ہجری میں جب امام حسینؑ نے اہل کوفہ کی دعوت پر اپنے اہل و عیال کے ساتھ کوفہ کا ارادہ کیا تو آپ بھی اپنے بھائی کے ساتھ سفر کے لئے روانہ ہوگئیں۔ ۱۰ محرم الحرام سنہ ۶۱ ہجری کا دلدوز سانحہ جو کربلا میں پیش آیا اسے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس جنگ میں آپ نے اپنے بیٹوں عون اور محمد کو راہ اسلام میں شہید کر دیا۔ ۱۲ محرم الحرام کو جب عترت اہل بیت رسول کا لٹا ہوا قافلہ مقتل گاہ کی طرف سے کوفہ لے جایا جا رہا تھا تو اس وقت آپ نے شہدائے کربلا کا بے گور و کفن لاشہ دیکھ کر یہ نوحہ پڑھا تھا:

"وا محمدا! وا محمدا!

آیئے! دیکھئے آپ کے حسینؑ خون میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

آپ کے حسینؑ کا سر کاٹ لیا گیا۔

آپ کے حسینؑ کا لاشہ چٹیل میدان میں پڑا ہے۔

آپ کے حسینؑ کا جسم پارہ پارہ کر دیا گیا ہے۔
آپ کی ذریت قتل کر دی گئی۔
ہوا ان کی لاشوں پر خاک ڈال رہی ہے۔
آپ کے گھرانوں کی لڑکیاں رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔
اے میرے نانا! یہ آپ کی اولاد ہے جسے ہنکایا جا رہا ہے۔
آپ کی بیٹیوں کے سر سے چادریں چھین لی گئی ہیں۔
آپ کی بیٹیوں کو رسوا و ذلیل کرنے کے لئے
بے چادر و مقنع لے جایا جا رہا ہے۔"

حضرت زینب بے ردا اور رسیوں میں جکڑی ہوئی کربلا سے کوفہ لائی گئیں۔ وہاں جب آپ نے اہل کوفہ کو آپ کے حال پر روتے ہوئے دیکھا تو آپ سے ان کی مکاریاں برداشت نہ ہو سکیں۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے کہا:

"اے کوفیو! اے مکارو! اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے والو تمہاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں۔ تمہاری مثال ان عورتوں کی سی ہے جو خود ہی سوت کاتتی ہیں اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔ تم نے خود ہی میرے بھائی سے رشتہ بیعت جوڑا اور پھر خود ہی توڑ ڈالا۔ تمہارے دلوں میں کھوٹ اور کینہ ہے۔ تمہاری فطرت میں جھوٹ اور دغا ہے۔ خوشامد، شیخی خوری اور عہد شکنی تمہارے خمیر میں ہے۔ تم نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ بہت برا ہے۔ تم نے خیر البشر ﷺ کے فرزند کو جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں قتل کیا ہے۔ خدا کا قہر تمہارا انتظار کر رہا

ہے۔ آہ! اے کوفہ والو تم نے ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا
ہے جو شکل بگاڑ دینے والا ہے اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا
ہے۔ یاد رکھو! تمہارا خدا نافرمانوں کی تاک میں ہے۔ اس کے
یہاں دیر ہے۔ اس کے انصاف کا انتظار کرو۔"

حضرت زینب جب کوفہ کے حاکم عبیداللہ بن زیاد کے دربار میں لائی گئیں تو اس نے آپ کو دیکھ کر حضرت امام حسینؓ کے متعلق طنزیہ باتیں کیں اور کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا اور تمہارے جدوں کو جھٹلایا۔ تمہارے جدوں کا جھوٹ سب پر عیاں کر دیا۔ ابن زیاد کا طنز اور بدکلامی سن کر آپ سے رہا نہ گیا اور آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول پاک کے
ذریعہ ہمیں عزت بخشی اور ہم سے ہر قسم کی پلیدی و نجاست کو دور
رکھا۔ صرف فاسق ہی ذلیل اور رسوا ہوتا ہے۔ وہ فاجر ہوتا ہے جو
جھوٹ بولتا ہے۔ اور وہ ہمارا غیر یعنی تو ہے۔"

عبیداللہ بن زیاد کو اس قسم کے بیباک جواب کی امید نہ تھی۔ اس نے دوبارہ طنز کیا اور پوچھا کہ تم نے اپنے خاندان کے متعلق اللہ کے اس عمل کو کیسا پایا؟

حضرت زینب نے ایک بار پھر نہایت مستقل عزم اور جرأت کے ساتھ فرمایا:

"میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں سوائے اچھائی کے کچھ نہیں
دیکھا۔ وہ قوم ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے شہادت کو مقدر
فرمایا ہے۔ انہوں نے طریق نبی کو سامنے رکھا۔ اس کی پیروی
کی اور اپنی آرام گاہوں کو چل دیے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تجھے اور

ان کو جمع کرے گا۔ پھر دیکھنا کہ کامیابی کی سعادت کس کو حاصل
ہوتی ہے۔ اس دن تم میں سے غالب کون آتا ہے؟"

دربار کوفہ کے بعد حضرت زینب اور اسیران اہل بیت رسول دمشق لائے گئے۔ دمشق میں یزیدی محل فتح کی خوشی میں شاندار طریقے سے سجایا گیا تھا۔ علاقہ کے مشہور لوگ، حکومت کے پسندیدہ اشخاص اور بڑے بڑے عہدہ داران اور سفیر بلائے گئے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کا سر اقدس یزید کے سامنے پیش کیا گیا۔ یزید نے سر امام حسینؑ سے بدتمیزی کی۔ حضرت زینب سے برداشت نہ ہو سکا، فرمایا:

"اے یزید تو نے میرے باپ اور بھائی کے دین
سے ہدایت پائی۔ تیرا دادا انہیں کے ہاتھوں پر ایمان لا کر آزاد
ہوا۔ تو میرے باپ کا آزاد کردہ ہے۔ ہم جھوٹ نہیں کہتے۔
رسول خدا کے اصحاب موجود ہیں اور فتح مکہ ان کی نظروں کے
سامنے ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ تیرا دادا قید ہو گیا تھا اور میرے نانا
نے اسے آزاد کیا تھا۔

اے یزید! تو ظالم اور بے حیا ہے۔ اے یزید! تو
گمان کرتا ہے کہ ہمیں قید کر کے تو نے ہم پر زمین اور آسمان کی
فضا کو تنگ کر دیا ہے۔ کیونکہ تو نے ہمیں قید کر کے شہروں اور
بازاروں میں پھرایا ہے۔ کیا تو خیال کرتا ہے کہ تیرے اس اعمال
سے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور ذلیل ہوئے ہیں؟ اور اس طرح کیا تو
نے اللہ کے سامنے اعزاز و منزلت حاصل کی ہے؟ کیا تو گمان

کرتا ہے کہ اپنے اس عمل سے تو نے اللہ کے حضور اتنا بڑا کام انجام کر ڈالا ہے جس سے تیری ناک غرور وتکبر سے پھول گئی ہے؟ تو بڑے غرور سے چاروں طرف دیکھتا ہے۔ تو انتہا سے زیادہ خوش اور مسرور ہے۔

اے یزید! ذرا غور کر کیا تو فرمان خدا بھول گیا کہ وہ فرماتا ہے کہ جو لوگ کفر و بے دینی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں یہ گمان نہ کریں کہ جو مہلت ہم نے انہیں دی ہے وہ ان کے فائدے میں ہے۔ بلکہ ہم نے انہیں اس لئے مہلت دی ہے کہ انہیں اپنے گناہوں میں اضافہ کی فرصت زیادہ ملے۔ اے ہمارے آزاد کئے ہوئے لوگوں کی اولاد! کیا یہ انصاف ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں تک کو تو پس پردہ بیٹھا رکھا ہے اور رسول خدا کی بیٹیوں کو نامحرموں کے درمیان قیدی بنا رکھا ہے کہ لوگ تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

اے یزید! ہم تجھ سے کوئی عطف ومہربانی کی امید نہیں رکھتے کیونکہ تو اس کی اولاد ہے جس نے اسلام کے پاکیزہ شہیدوں کے جگر کو چبانا پسند کیا تھا۔ ایسے شخص سے کس طرح مہربانی کی توقع رکھی جا سکتی ہے جس کا گوشت شہداء کے خون سے بنا ہو؟ پھر وہ شخص کس طرح اہل بیت کے ساتھ اپنے بغض و

کینہ میں کمی کر سکتا ہے جس نے ہمیشہ ہم پر بغض و نفرت ہی کی نظر ڈالی ہو۔

اے یزید! تو کہتا ہے کہ اگر میرے آباؤ اجداد میری اس شادمانی و خوش حالی کو دیکھتے تو کہتے۔ اے یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔ اس کے ساتھ ہی تو ابی عبداللہ کے دندان مبارک پر چھڑی مارتا ہے، جسے ہمارے نبی کریم پیار سے چوما کرتے تھے۔ اے یزید! تو ہمارے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال اور اپنے دل کو ٹھنڈا کر لے محمد کی ذریت کا خون بہا کر۔ وہ محمد کہ اللہ جن پر اور جن کے خاندان پر درود و رحمتیں بھیجتا ہے۔"

شام میں حضرت زینب اور اطہار اہل بیت رسول کتنے دنوں تک رہے اس کی صحیح تاریخ نہیں ملتی۔ لیکن جب قید سے رہائی حاصل ہوئی تو حضرت زینب نے پہلے کربلا جانے کا قصد کیا۔ آپ نے تقریباً تین دن تک کربلا میں قیام کیا۔ پھر مدینہ کا راستہ اختیار کیا۔ جب مدینے کے لوگوں کو اس بات کی خبر ہوئی کہ کاروان آل رسول لوٹ رہا ہے تو وہ سب استقبال کے لئے دروازہ شہر کی طرف گئے۔ اس وقت تمام لوگ آنسو بہانے اور نالہ و فغان میں مصروف تھے۔ ہر مرد اور ہر عورت کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور سبھی غم سے نڈھال تھے۔ حضرت زینب نے سرزمین مدینہ میں قدم رکھتے ہی نوحہ پڑھنا شروع کر دیا:

"اے ہمارے جد کے مدینہ تو ہمارے آنے کو قبول نہ کر کہ ہم حسرتوں اور مصیبتوں کے ساتھ تیرے پاس آئے ہیں۔

ہم جب تجھ سے نکلے تھے تو ہمارے ساتھ اہل وعیال موجود
تھے۔ اب ہم جب واپس آئے ہیں تو ناامید اور مایوس ہیں۔ ہم
برباد ہو گئے۔ ہمارا کوئی پرسان و مددگار نہیں ہے۔ ہم نوحہ کرتے
اور روتے ہیں۔ ہم وہ ہیں جو دربدر دشتوں پر پھرائے گئے۔ ہم
دختران یٰسین وطٰہٰ ہیں۔ ہم وہ لوگ ہیں جو مصیبتوں میں صبر
کرتے ہیں اور ہم وہ ہیں جو روتے ہیں ان لوگوں کو جو پیشوا
تھے۔ آگاہ ہوائے جد بزرگوار کہ لوگوں نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا۔
ہماری ہتک حرمت کی۔ زینبؑ کو انہوں نے بے پردہ کیا اور فاطمہ
کا کوئی معین نہ تھا۔ سکینہ شدت گرما سے شکایت کرتی تھیں۔ زین
العابدین کو قید کیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ ہائے! ہمیں شہر بہ
شہر پھرایا۔ تمام خلقت کے سامنے ہمیں رسوا کیا۔ یہ ہے ہمارے
واقعہ کی تشریح۔ پس اے مسلمانو! ہمارے واقعہ پر بکا کرو اور روؤ
"

حضرت زینبؑ کی وفات کے متعلق ارباب سیر میں اختلاف ہے۔ کچھ
کہتے ہیں کہ مدینہ پہنچنے کے چند ماہ بعد آپ نے ۱۵ رجب ۶۲ ہجری میں مدینہ منورہ
میں ہی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ کچھ کہتے ہیں کہ آپ واقعہ کربلا کے بعد دو
سال پانچ مہینہ زندہ رہیں اور آپ دمشق گئی تھیں کہ وہیں سے سفر آخرت اختیار کیا۔
بعض مورخین کہتے ہیں کہ آپ واقعہ کربلا کے بعد کم و بیش چار سال زندہ رہیں اور مصر
میں دفن ہوئیں۔ مدینہ میں آپ کی قبر کا کوئی نشان نہیں، البتہ دمشق اور قاہرہ دونوں جگہ
آپ کے مزار موجود ہیں اور زیارت گاہ خواص وعام ہیں۔

آپ کی زوجہ:

حضرت عباس کا نکاح کب ہوا اس کی تاریخ نہیں ملتی۔ لیکن قرین قیاس ہے کہ آپ کا نکاح حضرت علی کی شہادت کے بعد ہوا تھا۔ آپ کا نکاح عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی صاحب زادی لبابہ سے ہوا تھا، جن کی والدہ کا نام ام حکیم حوریہ بنت قارط کنانیہ تھا۔ جناب لبابہ کی دادی یعنی زوجہ عباس بن عبدالمطلب کا نام بھی لبابہ تھا جو حارث بن حزن کی بیٹی تھیں۔ زوجہ عباس بن عبدالمطلب کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ سنہ ۲ ہجری میں جب غزوہ بدر میں کفار مکہ کو شکست ہوئی تو دشمن اسلام ابولہب نے اس شکست کا راز جاننا چاہا۔ ابولہب نے دوسرے دشمن اسلام ابوسفیان بن حرب سے پوچھا کہ کیا ہوا کہ اہل مکہ شکست کھا گئے۔ دشمن اسلام ابوسفیان نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے آگے اہل مکہ کا یہ حال تھا جیسے مردہ غسال کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔ ایک عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ گھوڑوں پر سوار سفید پوش آدمی جیسے لڑ رہے ہیں اور ہمیں قتل کر رہے ہیں۔ انہوں نے جس کو چاہا تہہ تیغ کیا اور جس کو چاہا اسیر بنالیا۔ نہ معلوم وہ لوگ کون تھے؟ اسی جگہ عباس بن عبدالمطلب کے غلام ابورافع بیٹھے تھے۔ انہوں نے فوراً کہا کہ وہ فرشتے تھے۔ یہ سن کر ابولہب غصہ سے بھڑک گیا اور انہیں پٹک کر مارنا شروع کر دیا۔ اسی جگہ زوجہ عباس بن عبدالمطلب لبابہ بھی کھڑی تھیں۔ انہوں نے ایک موٹا سا ڈنڈا اٹھایا اور اس زور سے ابولہب کو مارا کہ اس کے سر سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ پھر گرج کر بولیں کہ بے حیا! اس کا آقا یہاں موجود نہیں ہے اور تو اس کو کمزور سمجھ کر مارتا ہے۔

زوجہ عباس لبابہ کے والد عبیداللہ بن عباس عبدالمطلب حضرت علی کے دور حکومت میں والی یمن تھے۔ یمن میں بھی بہت سے لوگ خون عثمان کا قصاص لینے

کے لئے معاویہ بن ابوسفیان کی تحریک کے معاون و مددگار بن گئے تھے۔ شروع میں وہ سب خاموش رہے، مگر جب مصر میں محمد بن ابوبکرؓ قتل کردئے گئے تو معاویہ بن ابو سفیان کے اشارے پر یہاں کے لوگ بھی پر تولنے لگے۔ اس کی خبر جب عبیداللہ بن عباس کو ملی تو انہوں نے فتنہ پروروں کو نظر بند کردیا تا کہ ملکی فضا مکدر نہ ہونے پائے۔ نگران کا یہ قدم صحیح ثابت نہیں ہوا۔ وہ لوگ جواب تک دبے ہوئے تھے کھل کر سامنے آگئے اور حکومت کے خلاف ایک مضبوط محاذ قائم کر کے بغاوت کر بیٹھے۔ ان باغیوں کی مدد کے لئے معاویہ بن ابوسفیان نے بسر ابن ابی ارطاۃ جو انتہائی ظالم اور سفاک تھا تین ہزار لشکر کے ساتھ بھیجا۔ بسر مکہ، مدینہ اور طائف ہو کر یمن پہنچا اور اس نے عبید اللہ ابن عباس کی غیر حاضری میں ان کے دو کمسن بچوں قثم اور عبدالرحمٰن کو انتہائی بے دردی سے ماں کے سامنے ذبح کردیا۔ ام حکیم نے اپنے جگر پاروں کو اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح ہوتے اور خاک و خون میں غلطاں دیکھا تو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ وہ اس واقعہ کے بعد پاگلوں کی طرح بال بکھرائے گھر میں ادھر سے ادھر اپنے بچوں کو ڈھونڈتی رہتی تھیں اور مرثیہ پڑھتی رہتی تھیں۔ مروج الذہب میں ہے کہ ام حکیم کے مرثیہ کو سن کر یمن کا ایک راہ گیر تڑپ گیا اور اسنے بسر ابن ابی ارطاۃ کی تلاش شروع کردی۔ بسر ابن ابی ارطاۃ تو اسے نہیں ملا، لیکن اس کے بچوں کا سراغ اسے مل گیا۔ اس نے بسر کے دو لڑکوں کو وادی اوطاس میں قتل کر دیا۔ اس قتل کا پتہ جب ارطاۃ کو چلا تو وہ بھی پاگل ہو گیا اور وہ تمام زندگی پاگل ہو کر ناگفتہ بہ حرکتیں کرتا رہا۔ بدحواسی کے عالم میں وہ کہتا تھا کہ مجھے تلوار دو۔ لوگ اسے لکڑی کی تلوار دے دیتے تھے۔ وہ لکڑی کی تلوار لے کر ادھر ادھر مارتا پھرتا تھا اور اس طرح وہ جذبہ خوں آشامی کی تسکین کا سامان کرتا تھا۔ یہاں تک کہ سنہ ۸۶ ہجری میں

ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں مر گیا۔

زوجہ عباس لبابہ بنت عبیداللہ کی حیات مقدسہ کے متعلق مورخین میں خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ کسی تصنیف سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ واقعہ کربلا کے وقت کہاں تھیں؟ آیا کربلا میں تھیں یا اپنی خوش دامن ام البنین حضرت فاطمہ بنت ابوالمحل حزام کے پاس مدینہ میں تھیں۔ واقعہ کربلا کے بعد آپ پر کیا گزری یہ بھی نہیں معلوم۔ آپ کب تک زندہ رہیں اور کس سن میں انتقال فرمایا اور کہاں دفن ہوئیں ان سب باتوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ بعد شہادت حضرت عباس آپ کا عقد ثانی حضرت امام حسنؑ کے بیٹے زید سے ہوا اور ان سے ایک لڑکی نفیسہ پیدا ہوئی۔ بعد وفات زید آپ کا عقد ولید نامی ایک شخص سے ہوا جس سے قاسم نامی ایک لڑکا پیدا ہوا۔

آپ کی اولادیں:

تاریخ دانوں میں حضرت عباس کی اولاد سے متعلق سخت اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ کے صرف ایک ہی بیٹے تھے جن کا نام عبیداللہ تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ کے دو بیٹے تھے، ایک فضل اور دوسرے عبیداللہ۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ کے تین بیٹے تھے، فضل، قاسم اور عبیداللہ۔ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے تین بیٹے تھے۔ اس لئے کہ مورخین لکھتے ہیں کہ آپ کے دو بیٹے کا نام فضل اور قاسم تھا جو کربلا میں باپ کے ساتھ شہید ہوئے۔ تیسرے بیٹے جن کا نام عبیداللہ تھا وہ اپنی دادی ام البنین کے ساتھ مدینہ میں تھے جن سے آپ کی نسل بڑھی۔ صاحبزادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ کی صاحبزادی علی اکبر سے منسوب تھیں لیکن یہ بات بہت وثوق کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ حضرت عباس کے

بیٹے عبید اللہ نے دو نکاح کیے تھے۔ پہلا نکاح رقیہ بنت حسنؑ اور دوسرا نکاح بنت معبد بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب سے۔ آپ کو دونوں بیویوں سے پانچ بیٹے تھے۔ عبید اللہ، عباس، حمزہ، ابراہیم اور فضل۔ علامہ مرزا عبد الحسین الامینی اپنی کتاب "الغدیر" اور اشرف علی" روضۃ الجنان" میں لکھتے ہیں کہ فضل بن حسن بن عبید اللہ نے اپنے پردادا حضرت عباس کا مرثیہ کہا تھا جو اس طرح ہے:

احق الناس ان یبکی علیه

فتی ابکی الحسین بکربلا

اخوه و ابن والده علی

ابو الفضل المضرج بالدماء

ومنی اساه لا یثنیه شیء

و جادله علی عطش بماء

(ترجمہ) وہ شخص اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس پر رویا جائے جس نے حسینؑ جیسے صابر کو کربلا میں رلا دیا۔ وہ کون تھے؟ وہ امام حسینؑ کے بھائی تھے اور ان کی مدد میں خون میں نہائے ہوئے دنیا سے گئے۔ انہوں نے پوری کی اور ان کے لئے حالت عطش میں جنگ کی اور پیاسے دنیا سے سدھارے۔

دوسرا مرثیہ

انی لاذکر للعباس موقفة

بکربلاء رهام القوم تخطفا

یحمی الحیمن و یحمید علی ظماد

ولا یونی ولا ینثی فیختلف

ولا اری مشهدا یوما کمشهده

مع الحسین علیه الفضل و الشرف

اکرم به مشهد بانت فضیلة

وما اضاع له ، افعاله خلف

(ترجمہ) آج میں اپنے دادا عباس کے کربلا والے اس وقت کے کارنامے کو یاد دلاتا ہوں جب کہ لوگوں کی کھوپڑیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ اس دن فرزند رسول حسین کی مدد بلا کاہلی وسستی وتردد کے پیاس کے عالم میں بے نظیر جانبازی سے کر رہے تھے۔ امام حسین کے ساتھ رزم گاہ کربلا میں جس طرح یہ شہید ہوئے ہیں میں نے کسی اور کو شہید ہوتے نہیں سنا۔ ان کے لئے یہ بڑی فضیلت ہے۔ شہادت کی یہ وہ بہترین منزل ہے جو اپنے دامن میں فضیلتوں کی ایک زبردست دنیا بسائے ہوئے ہے اور ان کے کارناموں کو ان کے بعد والوں نے ضائع نہیں کیا۔

عبید اللہ بن عباس کے متعلق مورخین بیان کرتے ہیں کہ آپ کا شمار بڑے عالموں میں ہوتا تھا۔ آپ نے طولانی عمر پائی تھی اور آپ نے بنی عباس کے ابو جعفر عبد اللہ منصور کے عہد حکومت میں سنہ ۱۵۵ ہجری میں انتقال کیا۔ حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد بنی امیہ کے مخالفین کا زور اتنا بڑھ گیا تھا کہ شاہان امیہ کے راستہ میں شدید مشکلات پیدا ہوگئی تھیں۔ لیکن بنی امیہ کی حکومت فوجی اعتبار سے اتنی مضبوط تھی کہ تمام مخالفانہ تحریکوں کے باوجود تلوار کے زور پر ستر بہتر سال تک چلتی رہی۔ بنی امیہ کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ خلافت اہل بیت رسول کا حق ہے اور جیسے ہی شاہان بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹے گا اہل بیت رسول

کی خلافت کا اعلان کر دیا جائے گا۔

اس تحریک میں دیگر لوگوں کے علاوہ حضرت امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ، ان کے صاحبزادے ابو ہاشم، محمد بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب اور ان کے صاحبزادے ابراہیم اور ان کے چھوٹے بھائی ابوالعباس عبداللہ سفاح اور شہید کربلا حضرت عباس کے صاحبزادے عبیداللہ وغیرہ بھی شامل تھے۔

لیکن سنہ ۱۳۲ ہجری بمطابق سنہ ۷۵۰ء میں جب ابوالعباس عبداللہ سفاح نے بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان ثانی کو قتل کر دیا تو بجائے اہل بیت رسول کو حکومت دینے کے خود مملکت اسلامیہ کا خلیفہ بن گیا۔ وعدہ خلافی کی پردہ پوشی اور حکومت کی لالچ میں اس نے ان لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جو خلافت اہل بیت رسول میں منتقل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عبیداللہ بن عباس کی زندگی بھی اس عتاب میں پڑ گئی۔ آپ کی زندگی بھی بڑے آلام و مصائب میں گزری۔ آپ کو دونوں حکومتوں یعنی بنی امیہ اور بنی عباسیہ کا قہر سہنا پڑا تھا۔
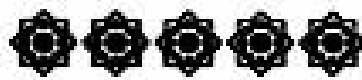
باب-۳

علیؑ کے بیٹے حضرت عباسؓ کی ولادت

اس باب میں ہم

حضرت عباسؓ کی

ولادت، عقیقہ، نام، حلیہ، کنیت اور القاب

کے متعلق گفتگو کریں گے

ولادت:

حضرت عباس کے سن ولادت اور جائے ولادت میں مورخین میں کوئی اختلاف نہیں۔ سبھوں میں آپ کی پیدائش ۲۶ ر ہجری بمقام مدینہ منورہ ہے۔ اختلاف تاریخ ولادت میں ہے۔ بعض ۱۹ ر جمادی الاول مانتے ہیں تو بعض ۲۶ ر جمادی الثانی۔ بعض ۱۸ ر رجب مانتے ہیں تو بعض ۴ ر شعبان اور ۷ ار شعبان۔ لیکن زیادہ تر لوگوں کا اتفاق ۴ ر شعبان پر ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عباس کی ولادت کے موقع پر جب حضرت علیؑ کو خوش خبری سنائی گئی تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرے نور نظر کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت عباس سفید کپڑے میں لپیٹ کر حضرت علیؑ کی آغوش میں دیے گئے۔ حضرت علیؑ نے حضرت عباس کے چہرے پر سے کپڑہ ہٹایا اور پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر ننھے ہاتھوں کو نکالا اور دست و بازو، کلائی اور سر پنجہ کو غور سے دیکھا۔ پھر رونے لگے۔ آپ کا رونا دیکھ کر ماں کا جگر پانی ہو گیا۔ ماں نے سبب گریہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس کا اصرار نہ کرو کیونکہ تم میں تاب ضبط باقی نہ رہے گی۔ لیکن ماں کے مضطرب دل کو کب سکون ہو سکتا تھا۔ اصرار پر اصرار کرتی گئیں۔ جب اصرار حد سے زیادہ بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے وہ دن یاد آ گیا جب تمہارے فرزند کے دونوں ہاتھ جفا جو اور ستم پرور مسلمان تلواروں سے قلم کریں گے اور سر پر آہنی گرز اور سینے پر نیزہ ماریں گے اور تمہارا یہ شیر تین دن بھوکا اور پیاسا کربلا کی زمین میں شہید کیا جائے گا۔ ماں کا دل یہ سن کر تڑپ اٹھا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ماں نے پوچھا کہ آخر کس جرم کی پاداش میں اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا؟ جواب ملا کہ اس کا جرم یہ ہو گا کہ یہ حق کا ساتھی اور اپنے بھائی کا حامی و مددگار رہو گا۔ ماں کی بے قراری دیکھ کر حضرت علی

نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ صبر کرو یہی مصلحت الٰہی ہے۔ اور مصلحت الٰہی کے آگے کسی کا کوئی چارہ نہیں۔

تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عباس کی ولادت کے بعد جب حضرت عباس کو حضرت علیؑ کی گود میں ڈالا گیا تو آپ کی آنکھیں بند تھیں۔ آپ کی آنکھیں اس وقت تک بند رہیں جب تک امام سوم سیدنا حضرت امام حسینؑ تشریف نہ لے آئے۔ جب حضرت امام حسینؑ تشریف لائے اور اپنی آغوش میں آپ کو لیا اور کان میں اذان واقامت کہی تب آپ نے آنکھیں کھول دیں اور سب سے پہلے چہرۂ امام حسینؑ پر نظر ڈالی اور تاجدار کربلا کو اپنی ننھی ننھی پلکوں کو جھکا کر سلام "السلام علیک یا ابا عبد اللہ، السلام علیک یا ابن رسول اللہ، السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" عرض کیا۔ روایتوں میں ہے کہ آپ نے پیدا ہونے کے بعد اس وقت تک اپنی ماں کا دودھ نہ پیا جب تک حضرت امام حسینؑ کی زبان اطہر چوس نہ لی۔ لعاب دہن امام حسینؑ سے سیراب ہونے کے بعد حضرت امام حسینؑ اپنے بھائی کو لے کر اپنے والد بزرگوار حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ابا جان! یہ بچہ مجھے بہت پیارا ہے۔ اس کی پرورش اور پرداخت میں کروں گا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ بیٹا! بڑی خوشی کی بات ہے تم شوق سے اس کی پرورش کرو۔

عقیقہ، نام اور حلیہ :

حضرت عباس کی ولادت کے ساتویں دن رسم عقیقہ عمل میں لائی گئی اور نام عباس رکھا گیا۔ لغات میں "عباس" کے معنی شیر، ترش رو اور مرد پہلوان کے ہیں۔ تاریخ اسلام میں عباس نام کے دو خاص آدمی گزرے ہیں۔ ایک وہ جو رسول خداﷺ کے چچا تھے جن کے نام پر خلفائے عباسیہ منسوب ہے اور دوسرے علی ابن ابی طالب

کے بیٹے شیرِ کربلا جن کا ذکر میں کر رہا ہوں۔

حضرت عباس کی آنکھیں سیاہ، بڑی بڑی اور پلکیں دراز تھیں۔ ناک بلندی مائل۔ رخسار بھرے ہوئے۔ دہن فراخ۔ دندان مبارک سفید اور خوش نما۔ ریش بھرپور اور گنجان۔ سر بڑا۔ بدن گٹھا ہوا۔ کلائی، بازو اور شانے دراز اور ٹھوس۔ ران اور پنڈلیاں مضبوط۔ کندھا اور سینہ چوڑا۔ رنگ گندم گوں جس میں سفیدی مائل تھی۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ عباس بہت خوبصورت تھے اور آپ کے چہرے پر چاندنی کی چمک تھی، اس لئے آپ کو قمر بنی ہاشم یعنی بنی ہاشم کا چاند کہا جاتا تھا۔ آپ حسن و جمال میں اپنی والدہ کے قبیلے کے آفتاب و مہتاب تھے۔ آپ چہرے کی تابندگی میں خصوصی حیثیت کے مالک تھے۔ آپ کے چہرے سے جاہ و جلال ٹپکتا تھا۔ آپ جسامت اور بلندی قامت میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں میں ممتاز تھے۔ آپ اتنے بلند قامت تھے کہ جب گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو آپ کے قدم زمین کو چھو جاتے تھے۔ بقول نظام العلما، مرزا رفیع طباطبائی اسلام میں دس آدمی ایسے گزرے ہیں جو طول قامت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت عباس کے اجداد میں ماں کی طرف سے ابن ربیعہ اور ابن طفیل اور باپ کی طرف سے رسول خداؐ کے چچا عباس ابن عبد المطلب حضرت عباس بھی ان دس آدمیوں میں سے ایک تھے۔ آپ جب بھی دور کا بہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو آپ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔ آپ بلندی قامت میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے ممتاز تھے۔ روایت ہے کہ مدینہ میں جب بھی آپ فرزند امام حسین حضرت علی اکبر کے ساتھ گزرتے تھے تو جو آدمی جس صورت میں ہوتا تھا اسی عالم میں رہ جاتا تھا۔ بس لوگ چہرہ دیکھتے رہ جاتے تھے اور ہر کام بھول جاتے تھے۔

کنیت:

کنیت اس نام کو کہتے ہیں جو ماں باپ یا اولاد کی طرف نسبت کر کے بولا جائے۔ جیسے حضرت رسول کی کنیت ابوالقاسم، حضرت علی کی کنیت ابوالحسن، حضرت عبداللہ کی کنیت ابوبکر، حضرت عمر کی کنیت ابن خطاب اور ابوحفصہ تھی۔ حضرت عباس کے بڑے صاحبزادے کا نام فضل تھا اس لئے آپ کی کنیت ابوالفضل تھی۔ کچھ علماء آپ کی کنیت ابوالفضل کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ آپ فضائل و کمالات کے مالک تھے اس لئے آپ کی کنیت ابوالفضل تھی۔ آپ کی کنیت ابوالقاسم بھی کہی جاتی ہے، کیونکہ آپ کے ایک صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔

القاب:

لقب اس نام کو کہتے ہیں جو کسی خاص مدح یا خوبی کے سبب بڑھ جاتا ہے۔ حضرت عباس خوبیوں کے مرقع و مرصع تھے۔ آپ کا نام سنتے ہی ریاضت و عبادت شجاعت و دلیری، وفاداری، فداکاری، رحمدلی اور دلنوازی، اطاعت گزاری، عبدیت و حکم برداری جیسے الفاظ ذہن میں کھنچ جاتے ہیں۔ آپ کی خوبیوں کو بیان کرنا زبان قلم کی طاقت سے باہر ہے۔ قلم کی روشنائیاں سوکھ سکتی ہیں، مگر خوبیوں کی فہرست مکمل نہیں ہو سکتی۔ دنیا کے سات سمندر بھی اگر روشنائی بن جائیں اور یہ زمین کاغذ پھر بھی خوبیوں کی مکمل رقم نہیں کی جا سکتی۔ حضرت عباس کے القاب بہت سارے ہیں، لیکن ان میں مشہور و معروف القاب سقائے [illegible]، افضل الشہداء، علمدار حسین، عبد صالح اور [illegible] وفا ہیں۔

سقائے حرم آپ کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ بندش آب کے بعد جب خیمہ سکینہ میں پانی ختم ہو گیا اور ساری مشکیں خشک ہو گئیں اور سارے بچے پیاس کی شدت [illegible] ہمدانی اور یحییٰ ابن عمیر کے ساتھ [illegible] نے آپ کو روکا۔ آپس میں باتوں کی تکرار ہوئی پھر تلوار چلنے لگی۔ حضرت امام حسین کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے آدمی بھیج کر حضرت عباس کو واپس بلا لیا۔ یہ واقعہ سات محرم کی رات کا ہے۔ صبح ۸ محرم اور ۹ محرم کو حضرت عباس نے اصحاب و اعزہ کے ساتھ مل کر چار جگہوں پر کنواں کھودا مگر افسوس کہ پانی کسی میں نہ نکلا۔ دسویں محرم کو جب چھوٹے بچے پیاس کی شدت سے بے حال ہونے لگے تو حضرت امام حسین سے بھی برداشت نہ ہو سکا۔ بعد ظہر جب حضرت امام حسین کی طرف سے سب شہید ہو گئے اور کوئی باقی نہ بچا تو حضرت عباس امام مظلوم کی خدمت میں اجازت جنگ طلب کرنے آئے۔ امام مظلوم نے فرمایا کہ میرے شیر! اگر تم بھی چلے گئے تو میرے لشکر کا کیا حال ہوگا؟ میرے لشکر کا نشان کیسے باقی رہے گا؟ حضرت عباس نے کہا مولا! جس کا میں علمدار ہوں وہ لشکر ہی اب کہاں رہ گیا ہے۔ سارے سپاہی خاک و خون میں غلطاں زمین پر آرام فرما رہے ہیں۔ اب مجھے بھی اجازت دیجئے۔ حضرت امام حسین نے بڑے یاس و حسرت سے اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ میں تمہیں جنگ کی اجازت نہیں دیتا۔ ہاں اگر ہو سکے تو بچوں کے لئے تھوڑا پانی کا انتظام کر دو۔ لشکر اعداء میں جاؤ اور ان سے بچوں کے لئے پانی طلب کرو۔ ممکن ہے کہ کسی صاحب اولاد کو ترس آجائے اور پانی دے دے کہ بچے ہلاکت سے بچ جائیں۔ حضرت عباس نے مشکیزہ اٹھایا اور میدان

کارزار کی طرف چلے۔ جیسے ہی خیمے سے باہر نکلے کہ امام مظلوم نے آپ کو بلایا اور آپکے ہاتھ سے تلوار لے کر نیزہ تھما دیا۔ حضرت عباسؑ میدان کارزار میں تشریف لائے اور اشقیا کے سامنے طلب آب کا سوال پیش کیا۔ یزیدی لشکر نے آپ کو تنہا دیکھ کر چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آپ کو جلال آ گیا۔ آپ کا جلال اور رعب دیکھ کر یزیدی لشکر کے سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ اپنا گھوڑا گھاٹ کنارے لے آئے اور اسے فرات میں ڈال دیا اور مشکیزہ پانی میں ڈبو دیا۔ جلتی دھوپ میں پانی کی ٹھنڈک نے کہا۔ عباس تین دن سے پیاسے ہو تھوڑا پانی پی لو۔ آپ نے پانی چلو میں لیا اور لب تک پانی لائے ہی تھے کہ پیاری بھتیجی سکینہ اور اہل بیت رسول کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی پیاس یاد آ گئی۔ پانی کو پھینک دیا۔ بھرا ہوا مشکیزہ لے کر خیمے کی طرف لوٹنے لگے کہ یزیدی لشکر نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور تیر پر تیر، نیزے پر نیزے اور تلوار پر تلوار چلانے لگے، یہاں تک کہ ایک ہاتھ قلم ہو گیا۔ مشکیزہ کو دوسرے ہاتھ میں تھاما تھا کہ دوسرا ہاتھ بھی قلم ہو گیا۔ مشک کا تسمہ دانتوں سے پکڑا اور چاہا کہ گھوڑے کو اتنا تیز دوڑائیں کہ ایک تیر مشکیزہ پر لگ گیا اور سارا پانی بہہ گیا۔ اگرچہ آپ پانی خیمے میں نہ لا سکے اور کسی کی پیاس نہ بجھا سکے پھر بھی آپ کی جاں فشانی اور خلوص کو دیکھتے ہوئے لوگ آپ کو سقائے حرم کہتے ہیں۔ سقائے حرم کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تاریخ کربلا میں دو شہادتیں صرف پانی کے لئے ہوئی تھیں۔ ایک حضرت عباسؑ کی اور دوسری حضرت علی اصغر کی۔ حضرت علی اصغر کی شہادت میں زحمت، جاں فشانی اور کوشش نہیں تھی۔ اس کے برعکس حضرت عباسؑ کی شہادت میں زحمت، جاں فشانی اور کوشش بھی کچھ تھا۔

افضل الشہداء:

حضرت عباس تمام شہداء میں افضل ہیں۔ اگرچہ تمام شہداء میں افضل امام مظلوم حضرت امام حسین ہیں۔ حضرت امام حسین کی شہادت سے قبل یہ لقب رسولؐ کے چچا حضرت امیر حمزہ کا تھا۔ مگر حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد یہ لقب حضرت امام حسین کا ہو گیا۔ حضرت عباس کو افضل الشہداء اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضرت امام حسین نے خود ہی آپ کو اس لفظ سے یاد کیا تھا اور کہا تھا کہ اے افضل الشہداء عباس بن علی مرتضیٰ تم پر خدا ہر وقت رحمت نازل فرمائے۔ افضل الشہداء لقب آپ کا اس لئے ہے کہ آپ کو اپنے بھائی حضرت امام حسین سے بے حد محبت تھی۔ محبت ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی بڑے وسیع ہیں۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جو کوزے میں سمندر کے مانند بند ہے۔ اس لفظ کی اگر تشریح کی جائے تو ایک سمندر پیدا ہو جائے گا۔ جب تک انسان کے دل میں کسی کے لئے محبت پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک اس میں اس کے لئے دیوانگی پیدا نہیں ہوگی۔ رسول کے دل میں اللہ کے لئے محبت تھی۔ حضرت رسول اللہ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ اسی محبت کی وجہ سے رسول نے اللہ کی ربوبیت کو سمجھا۔ علی کے دل میں رسول کی بے انتہا محبت تھی، اسی لیے علی نے رسول کی رسالت کو سمجھا اور اسی رسالت کی محبت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو سمجھا۔ حضرت حسنین کے دل میں رسولؐ اور علی دونوں کی محبت بے انتہا تھی۔ اسی لئے آپ دونوں نے امامت کے ساتھ ساتھ رسالت کو پھر اللہ کی ربوبیت کو سمجھا۔ حضرت عباس کے دل میں حضرت حسین کی محبت بے انتہا تھی لہذا اسی محبت کے ذریعہ آپ نے امامت، رسالت اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو سمجھا۔ ایک سچا عاشق ہر وقت اس انتظار میں کھڑا رہتا ہے کہ اس کا محبوب اسے کچھ حکم دے اور وہ اس کو بجالائے۔ اسے حکم کی تعمیل بجالانے میں جو لطف ملتا ہے وہ لطف اسے کسی اور چیز میں نہیں ملتا۔ وہ عشق میں ایسا اندھا رہتا ہے کہ سود و زیاں کچھ نہیں دیکھتا۔ وہ حکم کی تعمیل کو ہی سود سمجھتا ہے۔

روزِ عاشور حضرت امام حسینؑ کی طرف سے جب سب شہید ہو گئے سوائے امام مظلوم اور حضرت عباس کے تو حضرت عباس نے امام مظلوم سے اذنِ جہاد مانگا۔ جس وقت حضرت عباس امام مظلوم سے اذنِ جہاد مانگنے آئے اس وقت امام مظلوم نے آپ کو عجیب حسرت سے دیکھا اور فرمایا [illegible] نہیں۔ حضرت امام حسینؑ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت عباس [illegible] کوئی ضرر پہنچے۔ حضرت عباس نے ضد کی اگرچہ حضرت عباس کی عادت میں ضد شامل نہ تھی۔ مگر اس ضد میں جو محبت پنہاں تھی اس کے آگے حضرت امام حسینؑ نے سر جھکا دیا اور فرمایا عباس! کیا بچوں کی آواز العطش [illegible] بچے پیاس سے جاں بلب ہیں۔ پانی کی کوئی سبیل کرو۔ [illegible] فوج ستم پیشہ کو وعظ و پند کر کے تھوڑا سا پانی طلب کرتے تو شاید پیاس سے مرتے ہوئے بچے ہلاکت سے بچ جاتے۔ حضرت عباس نے مشک اٹھائی۔ ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لی۔ جیسے ہی خیمے سے باہر نکلے کہ حضرت امام حسینؑ نے آپ کو بلایا اور آپ کے ہاتھ سے تلوار لے کر یہ سمجھا دیا کہ عباس جنگ نہ کریں۔ حضرت عباس مشکیزہ لے کر فرات کے کنارے آئے۔ مشکیزے میں پانی بھرا اور جب واپس لوٹنے لگے تو یزیدی لشکر نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اتنے تیر برسائے اور تلوار مارے کہ دونوں بازو قلم ہو گئے اور آنکھ میں بھی تیر پیوست ہو گیا۔ حضرت حسینؑ بھائی کی شہادت پر خیمے سے چلے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ چھدا ہوا مشکیزہ دیکھا۔ پھر اور آگے بڑھے تو بایاں بازو کٹا ہوا پایا۔ اور آگے بڑھے تو داہنا بازو کٹا ہوا پایا۔ حضرت امام حسینؑ نے دونوں بازوؤں کو کلیجے سے لگا لیا اور فرمایا "یا افضل الشہداء یا ابن المرتضیٰ صلی علیک اللہ کل اوان" اس کے علاوہ حضرت عباس کو بہت سے امور میں دیگر شہداء سے زیادہ فضیلت اور بلند درجہ حاصل ہے۔

علم دار حسینؑ:

ابتدائے زمانہ سے یہ رسم چلی آ رہی ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک نشان ہوتا ہے جس سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔ اپنی شناخت کرانے کے لئے لوگ اپنا ایک نشان قائم کرتے ہیں اور وہ اس کے نیچے آ کر جمع ہوتے ہیں۔ اس کے نیچے جمع ہونے سے لوگوں میں یکجہتی اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ اپنے نشان پر خاص خاص امتیازی علامات بھی مقرر کر دیتے ہیں کہ جماعت کی ترتیب و تنظیم میں سہولت ہو۔ مورخین لکھتے ہیں کہ آں حضرتؐ کے دور میں علم کا رنگ سفید ہوتا تھا۔ اور ایک لشکر کے کئی کئی علم بھی ہوتے تھے۔ بنی امیہ کا شاہی جھنڈا سرخ ہوتا تھا۔ بنی عباس کا سیاہ ہوتا تھا۔ حضرت ابوطالب اور حضرت علیؑ کا سفید ہوتا تھا۔

یوں تو تاریخ عالم میں علم برداری کا شرف ان گنت لوگوں کو ملا ہے۔ مگر جب بھی ہم علمدار کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمارا ذہن حضرت عباسؑ کی طرف چلا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب 'علم دار' کا لفظ حضرت عباسؑ کے نام گرامی سے منسوب ہو گیا ہے۔ ایک علمدار میں جو خوبی ہونی چاہئے وہ تمام خوبی حضرت عباسؑ میں موجود تھی۔ ایک علمدار کی خوبی یہ ہے کہ وہ بہادر، جری اور شجاع، قوی دل اور بلند ہمت ہو۔ اس میں اتنی ہمت ہو کہ وہ نڈر اور بے خوف ہو کر خود کو بڑی بڑی ہولناک جنگ میں جھونک سکے۔ دشمن سے بے جھجک لڑ سکے۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دشمن سے مقابلہ کر سکے۔ میدان جنگ میں پیٹھ دکھانے کو توہین سمجھے۔ وہ اپنے آقا کا حکم بردار ہو۔ اس کے ہر حکم کی فرماں برداری کرے۔ وہ اس قدر بہادر، جری، شجاع، قوی دل اور بلند ہمت ہو کہ جسم کے زخمی ہو جانے اور ہاتھ اور بازو کٹ جانے کی قطعی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے علم کو جھکنے نہ دے۔ لشکر میں پرچم کا احترام کیا جاتا ہے۔

جب تک کسی فوج کا جھنڈا کھڑا رہتا ہے سپاہیوں کے دل کو سہارا رہتا ہے اور وہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ ہمارا سردار زندہ ہے اور اس کی فوج باقی ہے۔ لیکن جب جھنڈا گر جاتا ہے تو ہر سپاہی کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور پھر اس میں لڑنے کی ہمت نہیں رہتی۔ علمدار جتنا مضبوط دل اور ہمت ور ہوگا اس کی فوج اسی قدر بہادر اور جاں فشاں ہوگی۔ یہی سبب ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی فوج کا ایک ایک مجاہد نڈر اور بے خوف تھا کہ موت سے لڑ گیا، مگر میدان سے ہٹا نہیں اور میدان میں پہاڑ کی طرح جما رہا۔

حضرت عباس جیسے عظیم بہادر کی مثال ہمیں تاریخ عالم میں کہیں دوسری جگہ نہیں ملتی۔ حضرت عباس کی شخصیت ایسی تھی کہ آپ پر نہ صرف حضرت امام حسینؑ کو بھروسہ تھا بلکہ مطہرات اہل بیت کو بھی آپ پر ہی بھروسہ تھا کہ جب تک عباس کے ہاتھ میں علم ہے دشمن ان کی طرف رخ نہیں کر سکتے۔ حضرت عباس اپنے بھائی بہنوں کے اس نظریہ پر پورے اترے بھی کہ آپ جب تک زندہ رہے کسی نے بھی خیمہ حسینی کی طرف رخ نہیں کیا۔ حضرت امام حسینؑ نے جو ذمہ داری صبح عاشورا آپ پر ڈالی تھی اسے آپ نے بہت اچھی طرح انجام دیا۔ آپ نے ایک علمدار کے فرائض اور عہدے کے شرف کو جس آن بان اور شان کے ساتھ نبھایا وہ تاریخ عالم میں ایک مثال ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا کہ آپ نے چند نفوس کے ذریعہ ہزاروں کی تعداد میں بے دینوں کو قتل کر دیا۔

عبد صالح:

حضرت عباس کی جب ہم زیارت پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں "السلام علیک یا ایھا العبد الصالح"۔ عبد صالح کا لقب ایک باوقار لقب ہے جو بہت سے انبیاء کو بھی نصیب نہیں۔ اس خاص لقب کے مالک صرف چند انبیاء ہیں جن میں

عبادت ... انسانی ... ہے جو فطرت اور ... فطرت

میں اور ... کی حقیقت کا نام ہی ... ہے۔

عبد کے معنی جب تک ہم سمجھ نہیں لیں گے اس وقت تک ہم اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے۔ عبد کے معنی بندگی اور غلامی کے ہیں۔ عبادت کا لفظ عبد سے نکلا ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ الذاریات میں ارشاد باری ہے کہ **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** یعنی میں نے جن اور انس کو پیدا کیا صرف اپنی عبادت کے لئے۔ غور ... عبادت کے ... ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کی پیدائش کا اصل مقصد اللہ کی بندگی اور ... کی تابع داری ہے اور کچھ نہیں۔ اب ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ایک غلام کا فرض کیا ہے؟ غلام کے معنی کیا ہیں؟ غلام کے معنی یہ ہیں کہ اس کا آقا اسے جو کہے اسے وہ بجا لائے ... کبھی اس کے حکم کی بجا آوری سے انکار نہ کرے۔ آقا کی مرضی ... اپنے دل سے کوئی کام کرے اور نہ کسی دوسرے کو کام کرنے دے۔ غلام کو یہ حق حاصل نہیں کہ میں فلاں کام کروں گا اور فلاں کام نہیں کروں گا۔ میں فلاں وقت میں کروں گا اور فلاں وقت میں نہیں کروں گا۔ فلاں بات مانوں گا اور فلاں بات نہیں مانوں گا۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ عبادت کے معنی کیا ہیں؟ ہم بسا اوقات عبادت کے معنی محدود دائرے میں استعمال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عبادت کا مطلب قبلہ رو کھڑے ہو کر چند مقرر الفاظ زبان سے ادا کرنا، رکوع میں جانا اور زمین پر ہاتھ رکھ کر سجدہ کرنا، پھر رمضان کے مہینے میں پہلی تاریخ سے شوال کا چاند نکلنے تک صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہنا ہی خدا کی عبادت ہے۔ دراصل خدا کی عبادت کے دو طریقے ہیں۔ ایک وہ عبادت جو خاص خدا کے لئے ہے اور دوسری جو اس کی مخلوق کے لئے ہے۔ مخلوق کی عبادت سے مراد خدا کی بنائی ہوئی مخلوق سے محبت کرنا ہے۔ دوسروں کی حاجت پوری کرنا ہے۔ دوسروں کی مصیبت اور پریشانیوں کو دور

کرنا ہے۔اس پر رحم کرنا،اس کے ساتھ بھلائی اور اچھائی کرنا ہے۔ ہمارے نبی کریمؐ کی ایک حدیث ہے "جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں خدا ان پر رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر تم رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔تم اللہ کی رحمت کے امیدوار کیسے بن سکتے ہو جب اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کروگے"۔ ایمان کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ اللہ کے بندوں اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ محبت کی جائے۔ اگر ہم اپنے نبی کریمؐ کی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہمارے نبی کریمؐ میں دونوں خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ آپ اللہ کی عبادت بھی خوب کرتے تھے اور اللہ کی مخلوق سے پیار بھی بہت کرتے تھے۔ حضرت عباسؑ کی خصوصیت میں بھی یہ بات شامل ہے کہ آپ اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ کی مخلوق سے بھی بے حد محبت اور پیار کرتے تھے۔ روز عاشور حضرت عباسؑ کو جہاں اپنی پیاس کا احساس تھا وہیں آپ کو اپنے گھوڑے کی پیاس کا بھی احساس تھا۔ جس وقت حضرت عباسؑ نے اپنے چلو میں پانی لیا ہے، اس وقت آپ نے اپنے گھوڑے کی لگام کو ڈھیل دے دی تھی اور کہا تھا کہ تو بھی پانی پی لے، مگر گھوڑا بھی بڑا وفادار تھا۔ اس نے جب اپنے آقا کو پانی پھینکتے دیکھا تو اس نے بھی اپنا منہ پانی کی طرف سے موڑ لیا۔

حضرت عباسؑ نے ہمیشہ خود کو نواسہ رسول حضرت امام حسینؑ کا غلام سمجھا تھا۔ کبھی بھی اپنی جان کو امام کی جان سے زیادہ مقدم اور عزیز نہیں سمجھا۔ آپ نے حق کی خاطر اپنی جان بھائی کے اصولوں پر نثار کردی۔ آپ نے امام کے حکم میں طلب آب کے لئے اپنے دونوں ہاتھ کٹوا دیئے۔ وقت رخصت آپ جانتے تھے کہ جس کام کے لئے آپ جارہے ہیں آسان نہیں۔ پھر بھی آپ نے ہاتھ میں تلوار نہیں لی کیونکہ امام حسینؑ نے آپ سے تلوار لے لی تھی۔ عبدیت کی جو تعریف ہے کہ ایک عبد کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے آقا سے سوال و جواب کرے اور کہے کہ میں

فلاں کام [illegible]

فلاں بات [illegible]

[illegible]

[illegible]

آپ نے [illegible]

کس طرح [illegible]

پھر دیکھئے کہ [illegible]

تابعداری [illegible]

صالح کہا جاتا ہے۔

پیکرِ وفا

وفا ایک ایسا لفظ ہے جس کی تشریح کرنا مشکل ہے۔ وفا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں استحکام و استقامت ہو۔ وہ استوار ہو۔ وہ پائیدار ہو۔ اگر اس میں پائیداری اور استواری نہیں تو پھر وہ وفا نہیں۔ 'وفا' اور 'عباس' یہ دونوں لفظ ایسے ہیں اور یہ دونوں لفظ آپس میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ ہم جب بھی وفا کا نام لیتے ہیں تو ذہن میں عباس کا نام آ جاتا ہے۔ تاریخ اسلام میں بہت سی مثالیں وفاداری کی ملتی ہیں مگر کوئی بھی وفاداری کے خطاب سے مخاطب نہیں کیا جاتا۔ یہ شرف صرف حضرت عباس کو حاصل ہے۔ اب یہ ضرب المثل بن گیا ہے کہ وفا کرے تو ایسی کرے جیسی عباس نے کی تھی۔ وفا کا جذبہ ایک ایسا جذبہ ہوتا ہے جو عشق کے جذبے سے بھی بلند ہوتا ہے۔ ایک عاشق اس وقت تک سچا عاشق نہیں ہو سکتا جب تک اس میں وفا نہ ہو۔ ایک انسان جو تصنع سے بھرا ہوا ہوتا ہے اس کے ہر اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ کام بےحد عمدہ ہو مگر کام کرنے کی غرض خراب ہے تو وہ کام بالکل بیکار ہو جاتا ہے۔

فلاں کام [illegible] فلاں [illegible] فلاں وقت [illegible]۔
فلاں بات [illegible] فلاں [illegible]
[illegible]
صرف [illegible] کا شکر [illegible]
آپ نے [illegible] آپ نے [illegible]
کس طرح [illegible]
پھر دیکھئے کہ [illegible] کا سنایا [illegible] آقا کے حکم کی
تابعداری [illegible] کی تمہید ہے [illegible] آپ کو عبد
صالح کہا جاتا ہے۔

پیکرِ وفا

وفا ایک ایسا لفظ ہے جس کی تشریح کرنا مشکل ہے۔ وفا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں استحکام و استقامت ہو۔ وہ استوار ہو۔ وہ پائیدار ہو۔ اگر اس میں پائیداری اور استواری نہیں تو پھر وہ وفا نہیں۔ 'وفا' اور 'عباس' یہ دونوں لفظ ایسے ہیں اور یہ دونوں لفظ آپس میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ ہم جب بھی وفا کا نام لیتے ہیں تو ذہن میں عباس کا نام آجاتا ہے۔ تاریخ اسلام میں بہت سی مثالیں وفاداری کی ملتی ہیں مگر کوئی بھی وفاداری کے خطاب سے مخاطب نہیں کیا جاتا۔ یہ شرف صرف حضرت عباس کو حاصل ہے۔ اب یہ ضرب المثل بن گیا ہے کہ وفا کرے تو ایسی کرے جیسی عباس نے کی تھی۔ وفا کا جذبہ ایک ایسا جذبہ ہوتا ہے جو عشق کے جذبے سے بھی بلند ہوتا ہے۔ ایک عاشق اس وقت تک سچا عاشق نہیں ہو سکتا جب تک اس میں وفا نہ ہو۔ ایک انسان جو [illegible] کا دلدادہ ہوتا ہے اس کے ہر اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ کام بے حد عمدہ ہو مگر کام کرنے کی غرض خراب ہے تو وہ کام بالکل بیکار ہو جاتا ہے۔

تعلیم حاصل کرنا، پڑھنا لکھنا بہت عمدہ کام ہے۔ لیکن جب غرض یہ ہو کہ اس کے ذریعہ دنیا کو دھوکہ دیا جائے، فریب دیا جائے تو پھر ایسی تعلیم بیکار جاتی ہے۔ ہر اچھے کام کے لئے خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے۔ اگر غرض اچھی نہیں تو وہ فعل بھی قابل مدح نہیں۔ خلوص اور نیت وفا سے پیدا ہوتی ہے۔ وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہوتی ہے۔ یہ حضرت علیؑ کا رسولؐ کے ساتھ وفا کا جذبہ تھا کہ جب غزوہ احد میں جہاں سب رسولؐ کو زغہ اعدا میں چھوڑ کر اپنی جان بچا کر بھاگنے لگے تو علیؑ سینہ سپر ہو کر رسولؐ کی حفاظت کر رہے تھے۔ جنگ کے اختتام پر رسولؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ جب تمہارے بھائی لوگ اپنی جان بچا کر بھاگ رہے تھے تو تم کیوں نہیں اپنے بھائیوں کے ساتھ بھاگ گئے؟ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ حضرت امام حسینؑ نے بھی یوم عاشور حضرت عباسؑ سے اسی طرح کا سوال کیا تھا کہ تم کیوں نہیں چلے گئے جب شمر تمہیں امان دے رہا تھا؟ حضرت عباسؑ نے جواب دیا کہ یہ کیسے ممکن تھا کہ حق کا ساتھ چھوڑ کر باطل کی طرف چلا جاتا۔ یہ وفاداری محض رشتوں کی بنا پر نہیں تھی بلکہ ایمان اور حق کی بنا پر تھی۔ حضرت عباسؑ پر حضرت امام حسینؑ کی حقانیت ثابت تھی۔ آپ جانتے تھے کہ حسینؑ حق ہیں اور یزید باطل۔ اس لئے آپ نے مرتے دم تک حضرت امام حسینؑ کا ساتھ دیا۔ سچا مسلمان حق اور باطل کی پرکھ رکھتا ہے۔ اس کی وفاداری ایمان اور اصول کی بنا پر ہوتی ہے۔ مصیبت پڑنے پر بڑے بڑے بہادروں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ پائے ثبات میں لغزش آجاتی ہے۔ مگر حضرت عباسؑ کے قدم میں ہمیشہ ثبات رہا اور ہر مصیبت کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کیا۔ صحیح ہے بھائی ہو تو ایسا جیسے عباسؑ تھے اور کوئی وفا کرے تو ایسی جیسی عباسؑ نے کی۔

باب-۴

اس باب میں ہم
واقعۂ کربلا
کے پس منظر
کے متعلق گفتگو کریں گے

جب بجھ گئی ناگاہ شمع کون و مکاں کی
مرغان سحر سے اٹھی اک ہوک فغاں کی
نرگس کا اڑا رنگ گئی باس ریحاں کی
یا تھم سے گئی ہو کہیں آواز اذاں کی

تھمتے ہی وہ آواز ہوئی قوم بھی ابتر
بڑھتا ہی رہا قافلہ منزل سے بھٹک کر

(سید معصوم رضا)

حضرت عباس کے کارنامے واقعہ کربلا سے جڑے ہوئے ہیں۔
حضرت عباسؑ کو سمجھنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم واقعہ کربلا کو جانیں اور واقعہ کربلا کو جاننے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم واقعہ کربلا کا پس منظر جان لیں۔ واقعہ کربلا کا پس منظر سمجھنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسلام اور اسلامی تاریخ کا پس منظر جان لیں۔ جب تک ہم اسلام اور اسلامی تاریخ کا پس منظر نہیں جانیں گے اس وقت تک واقعہ کربلا اور حضرت امام حسینؑ اور آپ کے رفقاء اور اعزا کی قربانیوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

روز اول سے مخالفین کی یہ فطرت رہی ہے کہ جب کوئی شخص عظیم کام کے کر اٹھتا ہے تو اس پر الزام لگا دیتے ہیں کہ یہ شخص کچھ بننا چاہتا ہے۔ یہ اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا ہے۔ کوئی منصب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے خلاف یہ کہا گیا کہ یہ لوگ اپنی حکومت جمانا چاہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ سمجھا گیا کہ یہ یہودیوں کے بادشاہ بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے متعلق یہ خیال کیا گیا کہ یہ عیسیٰ کا مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں اور خود کو پوجوانا چاہتے ہیں۔ اسی طرح کم فہم اور نادان لوگ حضرت امام حسینؑ پر الزام تراشتے ہیں کہ آپ ساری مملکت اسلامیہ پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے دل میں حکومت کرنے کی خواہش پیدا ہوگئی تھی۔ واقعہ کربلا کے سلسلے میں بہت سی باتیں اور روایات ایسی نقل ہو چکی ہیں کہ علم بردار انسانیت کے دامن تقدس پر گندگیوں کے چھینٹے ڈال دیے گئے ہیں۔ منکر اور ناقابل قبول روایات کا ڈھیر لگ گیا ہے۔ قابل قبول اور ناقابل قبول روایات کی وجہ سے مسلمان دو طرح کے ذہن میں بٹ گئے ہیں۔

کچھ لوگ امام حسینؑ کی قربانیوں کو خروج اور طلب حکومت کی چاہ کہتے ہیں تو کچھ لوگ اسے دین اسلام کی حفاظت اور اس کی بقا کہتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ کی قربانی کسی ایک مذہب کو منانے اور دوسرے مذہب کو قائم کرنے کے لئے نہیں تھی۔ مذہب کی مذہب کے لوگوں میں برائیوں کو مٹانے اور اچھائیوں کو قائم کرنے کے لئے میدان میں لائی گئی تھی۔ حضرت امام حسینؑ نے جس وقت اپنا پرچم بلند کیا اس وقت پورے خطے میں ظلم کا دور دورہ تھا اور زندگی کے زخموں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔

خلیفة المسلمین خدا کا احکام جاری نہیں بلکہ خدا کا آئین پامال ہو رہا تھا۔ حضرت امام حسینؑ نے سوچا کہ دین کی روح جو مٹ رہی ہے، حکمران، امراء اور ناکارانہ زندگی کے ڈھیر میں دبتی جا رہی ہے اس میں خدائی تعلیمات کی بنیادیں انسانیت سے ہٹا دی جائیں اور عدل و مساوات کا نظام رحمت کامل شکل میں پیش ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالی نے دنیا خلق کرنے کے بعد جب جب فتنہ و فساد، جبر و تشدد اور قتل و غارت گری کا بازار گرم پایا اس نے لوگوں کی ہدایت اور ظلم و ستم و استبداد سے روکنے کے لئے پیغمبر اور انبیاء بھیجے جنھوں نے شر انگیزی، قتل و غارت گری، رذائل اخلاق کی قبیح نتائج سے انہیں آگاہ کیا۔ خدا نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر کو اصلاح و فلاح کا پیغام دے کر بھیجا۔ لیکن سرکش اور نافرمان قومیں من مانی کرتی رہیں۔ انبیاء علیہم السلام جو ضابطہ حیات ان کے سامنے پیش کیے انہوں نے ان پر عمل کرنا تو درکنار ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ تمدن انسانی کی تاریخ بتاتی ہے کہ انسان یا تو شر و فساد کا علمبردار بن کر انسانیت کے سامنے آیا ہے یا خیر و صلاح اور اصلاح کا پیامبر بن کر اٹھا ہے۔ انبیاء نے ہر دور اور ہر ملک میں نوع انسانی کی ہدایت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ جب بھی انسان نے حق سے روگردانی کی اور اوہام کے اندھیروں میں کھو گیا انبیا

اوران کے مخلص ساتھیوں نے اسے صداقت کی روشنی دکھائی۔ تاریخ کے وسیع دائروں پر اگر ہم نظر ڈالیں تو اس میں ہمیں طرح طرح کے مصلحین دکھائی دیں گے۔ حق وباطل، خیر وشر، سچ اور جھوٹ، انصاف اور ظلم، نیکی اور گناہ ہمیشہ ایک دوسرے سے نبرد آزما اور دست بگریباں رہے ہیں۔ یہ معرکہ ہابیل وقابیل سے شروع ہو کر ہر عہد اور ہر زمانے میں برپا ہوتا رہا ہے۔ حق نے، خیر نے، سچ نے، انصاف نے اور نیکی نے ہمیشہ فتح پائی اور ان کے مقابل آنے والی طاغوتی قوتیں ہمیشہ سرنگوں ہوتی رہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوتا رہا ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے ان طاغوتی قوتوں کو سنبھلنے اور پنپنے کا موقع مل جاتا ہے۔ لیکن ان کا انجام کار تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے اور ان کی فلاح وبہبود اور امن وامان کے لئے شریعتیں لے کر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو دنیا میں بھیجا۔ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت داؤد، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ شریعتوں کی دستاویزیں لے کر دنیا میں آتے رہے۔ اور پھر ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آخری شریعت لے کر دنیا میں آئے جس کو قیامت تک دنیا میں نافذ ہو جانا تھا۔ ہمارے نبی آئے اور اس وقت آئے جب عرب میں ہر طرف بد اخلاقی، جاہلیت، طغیان وعصیان کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آپ نے غیر اللہ کی پرستش کو مٹانے کا اعلان کیا اور ایک خدائے توانا کے آگے سر جھکانے کی تعلیم دی۔ ۷ اربیع الاول اور بعض روایات کے مطابق ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل کو ہمارے نبی پیدا ہوئے۔ ہمارے نبی کی ولادت سے قبل عرب کے خطوں میں پڑھے لکھے اور ذی حیثیت لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جو عرب میں سے ہوگا۔ اور وہ اسی علاقے سے ہوگا جہاں عرب حج کرتے ہیں۔ وہ قریشی

ہوگا۔ وہ جوان ہوگا۔ وہ پیران سالی کے آغاز میں ہوگا۔ ابتدائے عمر سے وہ ظلم و تعدی اور حرام سے پرہیز کرتا ہوگا۔ خود صلہ رحمی کرتا ہوگا اور صلہ رحمی کی تاکید کرتا ہوگا۔ اس کے والدین شریف و کریم ہوں گے۔ وہ اپنے قبیلے میں افضل اور معتبر ہوگا۔ وہ امین ہوگا۔ لیکن جب ہمارے نبی نے اعلان نبوت کیا تو وہ سبھی لوگ جو نبی کی آمد کے منتظر تھے آپ کی مخالفت پر اتر آئے۔ ان لوگوں نے شدید طور پر مخالفت کی اور آپ کو اذیتیں دیں۔ وہ سب مشرکین کے میل جول میں ایسا بدل گئے کہ نبی کی کھلے عام مخالفت کرنے لگے۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسالت کا حق ان کا ہے کیونکہ وہ پڑھے لکھے ذی حیثیت اور مشرکانہ مذہب کے پروہت ہیں۔ خدا رسالت جیسا منصب کسی نادار، مفلس اور غیر خواندہ کو نہیں دے سکتا۔ ان کافروں کے اس گھنونے کام میں ہزاروں لوگ شامل تھے جو ہمارے نبیؐ کی مخالفت کر رہے تھے۔ لیکن ہمارے نبیؐ نے صبر و استقلال سے کام لیا اور لوگوں کی مخالفت اور ایذا رسانیوں کے باوجود خدا کے حکم کی تعمیل کرتے رہے اور میلوں اور حج کے موقعوں پر قبائلیوں کو خدا کی وحدانیت اور صداقت کی اسلامی تعلیم دیتے رہے۔ ہمارے نبی کی باتوں سے عربی قبیلے کے سردار متاثر ہوتے تو ضرور تھے مگر ساتھ دینے سے ہچکچاتے تھے۔ لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو سمجھتے تھے کہ اگر محمدؐ ان کے ہاتھ آ گئے تو وہ سارے عرب پر چھا جائیں گے۔ انہوں نے ہمارے نبی سے سودا کرنا چاہا کہ وہ اسی وقت اپنا تعاون دینا چاہیں گے جب آپ کا مخالفین پر غلبہ ہو جائے گا اور آپ کی بادشاہت قائم ہو جائے گی تو وہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی چھوڑی ہوئی مملکت کے بادشاہ ہو جائیں گے۔ ہمارے نبی کریم نے انہیں سمجھایا کہ تم لوگ جو کہہ رہے ہو میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ میں جو دعوت تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں وہ اس لئے نہیں کہ اس کے ذریعہ

مال و دولت حاصل کروں یا تمہارا سردار بن جاؤں یا تم پر بادشاہت قائم کروں۔ مجھے تو خدا نے تمہارے سامنے پیغامبر بنا کے بھیجا ہے کہ میں تمہاری ہدایت کروں اور تمہیں گمراہی سے دور رکھوں۔ میں تمہارے لئے بشیر و نذیر ہوں۔ اب جو کچھ میں لایا ہوں اگر اسے تم نے قبول کر لیا تو وہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے اور اگر تم نے اسے قبول نہیں کیا اور اسے میری طرف پھینک دیا تو تم گھاٹے میں رہو گے۔ اور میں اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر کروں گا۔

کافروں اور ذی حیثیت انسانوں کی ایذا رسانی کے باوجود اسلامی تحریک جب تیزی سے آگے بڑھنے لگی تو وہ لوگ جو ہمارے نبی کریم کی مخالفت کرتے تھے آہستہ آہستہ بادل ناخواستہ زمرہ اسلام میں شامل ہو گئے اور مسلمان بن کر اسلام کی بیخ کنی کرنے لگے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کرنے لگے۔ انہیں میں سے ایک مدینہ کا عبداللہ بن ابی بھی تھا جس کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ مدینہ میں ہمارے نبی کریم کی آمد سے قبل مدینہ والوں نے اسے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا اور اس کے لئے تاج بھی بنوالیا تھا۔ تاجپوشی کے چند روز رہ گئے تھے کہ ہمارے نبی کی آمد مدینہ میں ہو گئی اور مدینہ والوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور وہ سب نبی کریم کی پیروی کرنے لگے۔ عبداللہ بن ابی مسلمان تو ہو گیا مگر اس کے دل میں نبی کے خلاف بغض و عناد کا بیج بھی پڑ گیا۔ وہ مسلمان بن کر اسلام کے خلاف تخریبی کارروائی کرنے لگا۔ اس کی اس تخریبی کارروائی میں بہت سے مدینے والے اور ارد گرد کے قبیلے والے بھی شامل تھے۔ دوسری طرف مکہ کے کافر قریش بھی مسلمان بن کر اسلام کی بیخ کنی کرنے لگے۔ وہ سب اپنے فائدے کے پیش نظر اسلام میں شامل ہوئے تھے۔ وہ یہ سمجھ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے کہ نبی کریم لاولد ہیں۔ انہیں کوئی بیٹا نہیں۔ ان کا کوئی

وارث نہیں۔ ان کا کوئی قائم مقام نہیں۔ وہ مر جائیں گے تو ان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ اور پھر وہ ان کی سلطنت کے مالک بن جائیں گے۔ لیکن نبی کریم کے آخری ایام میں جب انہیں یقین ہوگیا کہ علیؑ نبی کریمؐ کے جانشین بن جائیں گے تو انہوں نے اعلان جانشینی سے قبل ہی علیؑ سے بیزاری شروع کردی اور ان کے خلاف الزام تراشی اور بہتان بازی شروع کردی۔ اس تحریک میں پیش پیش خالد بن ولید بن مغیرہ تھے جو بادل ناخواستہ بعد فتح خیبر سنہ ۷ ہجری میں مسلمانوں سے کئی جنگ لڑنے اور متواتر شکست کھانے کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ سنہ ۱۰ ہجری میں نبی کریمؐ نے اپنا آخری فریضہ حج ادا کیا۔ حج کے بعد مدینہ لوٹتے وقت جب نبی کریمؐ ایک پرخار وادی کے تالاب غدیر خم میں ۱۸ ذی الحجہ کو پہنچے تو آپ نے ایک طویل خطبہ دیا عوام الناس کے سامنے جس میں اپنے فرائض کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے بعد ملت اسلامیہ کی رہبری کے لئے اپنا نائب اور جانشین اپنے بھائی علیؑ ابن ابی طالب کو مسلمانوں کا خلیفہ اور امام اول کی صورت میں پیش کیا۔ علیؑ ابن ابی طالب کی جانشینی کا اعلان ہوتے ہی اسلامی دنیا میں ہنگامہ مچ گیا اور رسول خدا اور علیؑ کے خلاف چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں

اعلان غدیر کے بعد وہ لوگ جو بعد وفات رسول حکومت و بادشاہت کی تمنا دل میں لئے اسلام میں شامل ہوئے تھے غمزدہ ہوگئے۔ ان کے سینوں پر بجلیاں گر گئیں۔ انہیں علیؑ کا تقرر پسند نہ آیا۔ رسول خدا ان لوگوں کے چہروں کے اتار چڑھاؤ سے ان کی دلی کیفیت اور ارادوں کو سمجھ گئے کہ یہ بعد وفات مخالفت کے بغیر نہیں رہیں گے اور ہر ممکن طریقے سے روڑے اٹکائیں گے۔ لہٰذا نبی کریمؐ نے وصال سے قبل بحالت مرض چاہا کہ ایک ایسا صحیفہ لکھ دیا جائے کہ بعد وفات لوگوں میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ اس نظریہ کے تحت نبی کریمؐ نے لوگوں سے قلم، دوات اور کاغذ

منگوایا، لیکن لوگوں نے عدول حکمی کی اور قلم، دوات اور کاغذ نہیں لائے۔ پھر بھی آپ نے منہ زبانی وصیت کی کہ میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن کریم اور دوسری عترت یعنی اہل بیت۔ اگر تم ان دونوں کی اطاعت کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ لیکن لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور منحرف ہو گئے۔ بعد وفات رسول ملک گیری کے یہ پرستار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ ان میں پیش پیش مدینہ کے انصار تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ انصار میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے۔ وہ سب سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے دو اہم قبیلے اوس اور خزرج دونوں جمع ہوئے۔ دونوں قبیلوں میں رقیبانہ چشمک تھی۔ اس وجہ سے دونوں کسی ایک شخص پر اتفاق نہ کر سکے۔ وہ سب آپس میں جھگڑنے لگے اور نوبت خون خرابے تک پہنچ گئی۔ ان دونوں فریقوں میں کچھ پلہ بھاری خزرج کا تھا اور قریب تھا کہ خزرج کے سعد بن عبادہ (کیونکہ عبداللہ بن ابئ مر چکے تھے) جانشین رسول اور خلیفہ منتخب ہو جاتے کہ حضرت ابو بکرؓ مع حضرت عمرؓ اور عبیدہ بن الجراح وہاں پہنچ گئے۔ ان لوگوں کے پہنچنے سے ایک بار پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی محفل گرم ہو گئی اور بحث و مباحثہ کا دور شروع ہو گیا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ انہیں ہنگاموں میں حضرت ابو بکرؓ کی تائید میں قبیلہ اوس کے لوگوں نے حامی بھر دی کیونکہ وہ اپنی باہمی چشمک اور رقابت کی وجہ سے نہیں چاہتے تھے کہ خزرج میں سے کوئی خلیفہ ہو اور اوس پر ان کی بالادستی ہمیشہ کے لئے قائم ہو جائے۔ بشیر ابن سعد جو خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور خود سعد بن عبادہ کے عوض خلیفہ بننے کے خواہش مند تھے وہ حضرت ابو بکرؓ کی تائید میں کھڑے ہو گئے اور ہاتھ بڑھا کر حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی۔

سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کے بعد لوگ مسجد نبوی میں جمع ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے چند لوگوں کو ادھر ادھر دوڑایا کہ وہ لوگوں کو بلا کر لائیں اور بیعت کریں۔ شروع میں جن جن لوگوں نے بیعت نہیں کی ان لوگوں سے مصلحتاً بیعت کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ ان سے الجھنا اور بیعت کا مطالبہ کرنا خلاف مصلحت سمجھا گیا۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، بنی امیہ اور بنی زہرہ کی بیعت سے حکومت کی بنیادوں میں استحکام آ گیا تو ان لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا جن لوگوں نے بیعت نہیں کی تھی۔ حکومت کے کارندے حضرت علی اور بنو ہاشم کے گھر بھی گئے۔ حضرت علی پر سختی کی گئی۔ ان پر جبر و تشدد اور ایذا رسانی کی کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ حضرت علی کے انکار بیعت پر ان کے گھر میں آگ لگا دی گئی اور دروازے کو توڑ دیا گیا جس سے حضرت فاطمہ بنت نبی کا حمل ضائع ہو گیا۔ وہ سب حضرت فاطمہ کے گھر جہاں رسول خدا بھی بغیر اجازت داخل نہیں ہوتے تھے دندناتے ہوئے گھس گئے اور حضرت علی کے گلے میں رسی ڈال کر انہیں مسجد نبوی میں لوگوں کے درمیان حضرت ابوبکرؓ کے پاس لے آئے۔ لوگ تماشہ دیکھ رہے تھے کہ اہل بیت نبی کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ مگر خوف دلوں پر اتنا طاری تھا کہ کوئی کچھ نہ بولا۔ سب خاموش رہے۔ حضرت علی نے بھرے مجمع میں بیعت سے انکار کیا۔ بنی ہاشم اور حضرت علی کے بہی خواہوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ اپنے گھروں سے تلوار کھینچ کر نکل پڑے۔ بنی ہاشم اور بہی خواہوں کا غم و غصہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ خاموش ہو گئے اور حضرت علی کو چھوڑ دیا۔ حضرت علی اپنے بہی خواہوں اور بنی ہاشم کے لوگوں کو لے کر مسجد نبوی سے نکل آئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ دوران گوشہ نشینی بہت سے لوگ حضرت علی کے پاس آئے کہ آپ اپنے حق کے لئے لڑیں۔ مگر حضرت علی نے ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ حضرت علی کے خیر خواہوں میں کچھ نام نہاد مسلمان ایسے بھی تھے جو

مسلمانوں کو آپسی جنگ میں الجھا کر اسلام کی بنیادوں کو متزلزل کرنا چاہتے تھے۔ اس میں پیش پیش ابو سفیان بن حرب تھا۔ یہاں پر حضرت ابو بکرؓ نے بھی دور اندیشی سے کام لیا کہ انھوں نے حضرت علیؑ کو بیعت کے لئے مجبور نہیں کیا۔ حضرت علیؑ احکام خداوندی کی روشنی میں کہ تمہارا دین تمہارے ساتھ اور ہمارا دین ہمارے ساتھ اور رسول خدا کی وصیت کے مطابق کہ تحمل اور صبر کا طریقہ اختیار کرنا اور جب دیکھنا کے لوگوں نے دنیا اختیار کر لی ہے تو تم آخرت کو اختیار کرنا، دنیاوی سیاست سے الگ ہو گئے۔ لیکن اتنا ضرور تھا کہ جب بھی کوئی خلیفہ آپ سے رائے مشورہ لیتے تھے تو آپ اسے اپنے مشوروں سے ضرور نواز دیتے تھے۔

حالات بدلتے گئے۔ زمانہ بدلتا گیا۔ لیکن اہل بیت رسول کے لئے زمانہ بد سے بدتر ہوتا چلا گیا۔ حضرت علیؑ کی مخالفت میں ہر طرح کے منصوبے بننے لگے۔ لوگوں کی نظر میں آپ کے وقار، افضلیت اور فوقیت کو گرانے کے لئے ہر طرح کی کوششیں کی جانے لگیں۔ لیکن اب بھی کچھ لوگ ایسے ضرور تھے جن کی نگاہیں بار بار آپ کی طرف اٹھتی تھیں۔ وہ بار بار آپ کے پاس آتے تھے اور زمانے کی کج روی اور دین میں تحریف کی شکایت کرتے تھے۔ اگر ہم غور سے تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم پائیں گے کہ رسول خدا کے صحابہ میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ تھے جن میں حرص و طمع، عیش پسندی، نخوت و غرور تھا اور دوسرے وہ تھے جو ایماندار، مہذب، اخلاق مند، متقی اور علم والے تھے۔ رسول خدا کے صحابہ کی کثرت قسم اول کے لوگوں کی تھی۔ ان لوگوں کے لئے مال و جائیداد اور دنیا داری ہی سب کچھ تھا۔ اقلیت ان لوگوں کی تھی جو متقی تھے۔ لوگوں میں اثر و رسوخ رکھنے والے صحابہ رسول وہ تھے جنھوں نے بہت زیادہ مال و دولت جمع کر لیا تھا۔ ان لوگوں کی کوئی پوچھ نہیں تھی جو غریب، نادار، صاحب ایمان

اور صاحب تقویٰ تھے۔

حالات بگڑتے بگڑتے اس حد تک بگڑ گئے کہ لوگوں نے تعلیمات رسول کو بھلا دیا۔ وہ عیش پسند ہو گئے۔ وہ دولت جمع کرنے لگے۔ وہ زنا کاری اور شراب نوشی میں ملوث ہو گئے۔ معزز اور سربلند لوگوں کے ساتھ ناروا سلوک اور ظلم ہونے لگا۔ دیانت داری، ایمانداری اور امانت داری کی باتیں کتابی بن کر رہ گئی تھیں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں حالات اس قدر بگڑ گئے کہ ہر طرف سے شور اٹھنے لگا تھا۔ لوگ عثمانی عمال سے نالاں ہو گئے تھے۔ اور ہر طرف غضب اور انتقام کے شعلے بھڑکنے لگے تھے جس سے نظم مملکت تہہ و بالا ہو گیا تھا۔ چاروں طرف فساد اور کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ معاملہ بگڑتے بگڑتے اتنا بگڑ گیا کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف مملکت اسلامیہ کے ہر صوبے میں بغاوت پھیل گئی۔ یوں تو ہر طرف بغاوت کی آگ پھیلی ہوئی تھی مگر کوفہ، بصرہ اور مصر میں زیادہ تھی۔ یہ سب مدینہ آئے اور ہنگامہ مچانا شروع کر دیا۔ وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ کسی کو ان کے خلاف قدم اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت علیؓ کے چاہنے والے یوں تو ہر صوبے میں تھے مگر ان کی زیادہ تعداد مصر میں تھی۔ طلحہ بن عبید اللہ کے چاہنے والے بصرہ میں تھے اور زبیر بن العوام کے چاہنے والے کوفہ میں تھے۔ تینوں گروہ کے لوگ اپنے اپنے چاہنے والوں کے پاس پہنچے۔ یہ سب حضرت عثمانؓ کی خلافت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان سبھوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور گھر کے اندر گھس کر انہیں قتل کر دیا۔ بعد قتل ان سبھوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ چن لیا۔ حضرت علیؓ کے خلیفہ منتخب ہونے سے طلحہ اور زبیر کے دلوں پر بجلی گر گئی۔ حضرت علیؓ ان دونوں کی نیت سے واقف تھے۔ آپ جانتے تھے کہ بہت سے اصحاب بدر جو طلحہ اور زبیر کے حامی ہیں، انہیں یہ بات ناگوار

گزر رہی ہے۔ان سبھوں نے بیعت نہیں کی تھی۔وہ بلائے گئے۔انہوں نے بظاہر بیعت تو کر لی لیکن ان کے دلوں کی کدورت دور نہیں ہوئی تھی۔بنی امیہ کے لوگوں نے جب دیکھا کہ لوگ حضرت علیؑ کی بیعت کر رہے ہیں تو وہ سب حضرت علیؑ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے کے لئے زوجہ عثمانؓ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلی اور خون آلود کرتا لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔کچھ اہل مدینہ جنہوں نے حضرت علیؑ کی بیعت دل سے نہیں کی تھی وہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ازواج رسولؐ میں سے حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؑ کی خلافت پسند نہ آئی۔قتل عثمانؓ کے وقت حج کی غرض سے وہ مکہ گئی ہوئی تھیں۔علیؑ کا نام سن کر انہیں اتنا قلق ہوا کہ وہ جو مدینہ جا رہی تھیں،مکہ واپس لوٹ آئیں۔انہوں نے طلحہ اور زبیر کو مکہ بلوایا۔طلحہ اور زبیر کے مکہ پہنچنے کے بعد انہوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ عثمانؓ بے گناہ قتل کر دیے گئے ہیں اور وہ اس قتل کا انتقام لیں گی۔تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قبل کہیں بھی حضرت عثمانؓ کی بے گناہی کی باتیں نہیں ہو رہی تھیں اور نہ قتل عثمانؓ کے قصاص کا کہیں بھی ذکر ہو رہا تھا۔سب کام ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔پہلی بار حضرت عائشہؓ نے اس کا شوشہ چھوڑا اور لوگوں کو اس کام کے لئے جمع کیا۔اس کام کے لئے صدر مقام بصرہ چنا گیا جہاں طلحہ بن عبید اللہ کا رسوخ تھا۔اس کام میں کوفہ والوں کی بھی مدد لی گئی جہاں زبیر بن العوام کا رسوخ تھا۔ماہ جمادی الثانی ۳۶ ہجری میں جنگ جمل کا شرمناک واقعہ پیش آیا جس میں حضرت عائشہؓ کو شکست ہوئی اور طلحہ و زبیر دونوں اور لوگوں کے ساتھ مارے گئے۔اس جنگ کا نام جمل اس لئے مشہور ہوا کہ حضرت عائشہؓ جمل یعنی اونٹ پر سوار تھیں اور فوج کی رہنمائی کر رہی تھیں۔

تاریخ داں کہتے ہیں کہ اسلام سے پیشتر قبیلہ قریش دو حصوں میں بٹا

جاتا تھا۔ایک بنوامیہ اور دوسرا بنو ہاشم۔گرچہ قریش کے اور بھی چھوٹے
خاندان تھے مگران کی حیثیت ان دو خاندانوں کی طرح نہ تھی۔چھوٹے چھوٹے
خاندان والے ان ہی دو میں سے کسی نہ کسی کے طرفدار تھے۔بنوامیہ کی طاقت اور ان
کارسوخ ظہوراسلام کے قریب زمانے میں بنوہاشم سے بڑھ گیا تھا۔اگرچہ ظہوراسلام
سے بہت پہلے وہ بنوہاشم سے کمزور تھے۔ہمارے نبی بنوہاشم میں مبعوث ہوئے تو بنو
امیہ اوران کے حلیف ہی نے سب سے زیادہ مخالفت کی اور آپ کواور آپ کی تحریک
اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹادینے کے لئے کئی جنگیں کیں۔لیکن جب وہ شکست پر شکست
کھاتے گئے تو سب کے سب بچ گئی کے لئے اسلام میں داخل ہوگئے۔وہ سب اس
وقت خوش ہوتے تھے جب مسلمانوں کو نقصان پہنچتا تھا۔ہمارے نبی نے امیوں اور
ہاشمیوں کا فرق مٹانے کے لئے ان کی لڑکیوں سے شادی کی اور سب کو اسلام میں ملا
کرایک کردینا چاہا۔ہمارے نبی نے نسلی اور قبائلی امتیازات کا نام ونشان باقی نہ رکھا۔
لیکن حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بنوامیہ کو عہد جاہلیت کی رقابتیں پھر یاد آگئیں
کیونکہ حضرت عثمانؓ بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔حضرت عثمانؓ نے اپنے خاندان
والوں کی کنبہ پروری اور انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی جو کوشش کی اس سے
وہ آگے بڑھ گئے اور کافی طاقتور بن گئے۔حضرت عثمانؓ کے دور میں ملکوں اور صوبوں
کے عامل زیادہ تر بنوامیہ کے ہی لوگ تھے۔تمام ممالک اسلامیہ میں بنوامیہ ہی کے
لوگ حاکم اور صاحب اقتدار تھے۔جب ہر طرف وہ اقتدار میں آگئے تو انہوں نے
اپنے اقتدار رفتہ کو واپس لینے یعنی بنوہاشم کے مقابلے میں اپنا مرتبہ بلند کرنے کی کوشش
کی۔وہ اپنے قومی وخاندانی اقتدار کو قائم کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہوگئے۔
حضرت عثمانؓ سے قبل مسلمانوں کا مطمح نظر اور توجہ اشاعت اسلام اور شرک شکنی تھا۔مگر

اب مسلمانوں کی توجہ ملک گیری اور مال و دولت جمع کرنے میں لگ گئی۔ سب کو اقتدار اور مال و دولت حاصل کرنے کی فکر ہوگئی۔ کسی کو اسلام اور اس کے اصولوں کی فکر نہ رہی۔ سب کا ذہن خلافت سے ملوکیت کی طرف مڑ گیا۔ اسلام نے جو سادگی، زہد و تقویٰ، اور مال و دولت سے بے تعلقی سکھایا تھا وہ سب فرو ہو گیا۔

حضرت علیؓ نے جس وقت خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اس وقت مسلمانوں میں خلفشار مچا ہوا تھا۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ ہر طرف سے فتنے اٹھ رہے تھے اور تخریبی کارروائیاں ہو رہی تھیں۔ ان فتنوں کو کچلنا اتنا آسان نہ تھا کیونکہ ان کی داغ بیل سابقہ حکومت میں پڑ چکی تھی جو اپنے عروج پر تھی۔ عوام چاہتی تھی کہ عثمانی عمال جو مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کئے ہوئے تھے اور رعایا کو ستا رہے تھے اور جو عمال عیش و عشرت، زنا کاری، شراب خوری اور لوٹ کھسوٹ میں اپنی زندگی گزار رہے تھے انہیں فوراً معزول کر دیا جائے۔ اور ان کی جگہوں پر ایسے لائق اور شریف لوگ لائے جائیں جو سادگی، تقویٰ اور انصاف پسند ہوں۔ حضرت علیؓ نے مسند خلافت سنبھالتے ہی ان لوگوں کو برطرف کرنا شروع کر دیا جن سے عوام کو شکایت تھی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت علیؓ نے جن جن علاقوں سے جن جن عاملوں کو معزول کیا وہاں کی عوام نے آپ کے فیصلے کا خیر مقدم کیا تھا۔ معدودے چند کے جو معزول شدہ عمال کے حواری اور ہمنوا تھے۔ مصر سے عبداللہ بن سعد کو ہٹا کر اس کی جگہ قیس بن سعد کو عامل بنایا۔ بصرہ سے عبداللہ بن عامر کو ہٹا کر اس کی جگہ عمارہ بن شہاب کو عامل بنایا۔ حجاز اور یمن میں یعلیٰ بن منبہ کو ہٹا کر اس کی جگہ عبیداللہ بن عباس کو عامل بنایا۔ شام میں سہل بن حنیف کو عامل مقرر کر کے انہیں روانہ کیا۔ مگر وہ تبوک سے واپس لوٹ آئے کہ معاویہ کے حواریوں نے انہیں راستہ میں روک دیا۔ اور انہیں واپس لوٹنے پر

مجبور کردیا۔ حضرت علی نے ان لوگوں کو ان کے عہدے پر بنے دیا جن سے عوام کو کوئی شکایت نہیں تھی جیسے ہمدان کے عامل جریر بن عبداللہ البجلی۔ اس موقع پر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر حضرت علی تحمل سے کام لیتے اور اس وقت تک صوبوں کے عمال میں تبدیلی نہیں کرتے جب تک سلطنت اسلامیہ کے تمام صوبے آپ کی اطاعت قبول نہیں کر لیتے تو آپ کو خطرناک نتائج کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ حضرت علی کی جلد بازی کی وجہ سے ہی ان کو خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن میں ان لوگوں کی بات سے متفق نہیں ہوں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جس وقت حضرت علی نے حضرت عثمانؓ کے زر پرست اور شوریدہ عمال کو برطرف کیا تھا اس وقت ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کسی نے چوں و چرا نہیں کیا تھا۔ اور بھی اپنے اپنے عہدوں سے خاموشی کے ساتھ سبکدوش ہو گئے تھے۔ ہنگامہ اس وقت شروع ہوا جب ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت علی سے ذاتی بغض و عناد کی بنا پر حضرت عثمان کے قتل کے قصاص کا بکھیڑا شروع کیا۔ تاریخ کہتی ہے کہ حضرت عائشہ خود حضرت عثمانؓ اور ان کے نظام حکومت سے بدظن تھیں اور قتل عثمان کا فتویٰ صادر کرتی رہتی تھیں۔ لیکن جیسے ہی انہیں حضرت علی کی خلافت کی خبر ملی ان کے مزاج کا پارہ چڑھ گیا اور وہ بدل گئیں۔ اب وہ حضرت عثمانؓ کی زبردست حامی بن گئی تھیں اور کہنے لگی تھیں کہ افسوس عثمانؓ کو چند معمولی باتوں پر شہید کر دیا گیا۔ وہ بے گناہ مارا گیا۔ میں خون عثمانؓ کا قصاص لے کر اسلام کو سربلند کروں گی۔ حضرت عائشہؓ اپنی تقریروں میں حضرت علی پر الزام لگاتی تھیں کہ قتل عثمانؓ کے ذمہ دار علی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی دلچسپی قصاص میں دیکھ کر مسلمانوں کی ایک جماعت قائم ہو گئی جن میں بیشتر لوگ بنی امیہ کے تھے اور وہ لوگ تھے جنہیں حضرت علی سے پرخاش تھا۔ وہ سب قصاص لینے کے لئے حضرت عائشہؓ کے جھنڈے کے

بیچے سرفروشی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ وہ سب قصاص کے پردے میں خلافت سے حضرت علیؑ کی برطرفی چاہتے تھے۔

یہاں پر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ مختصراً قصاص کے معنی سمجھا دوں۔ قصاص یعنی خون کے بدلے خون۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسے نہ عقل غلط کہتی ہے اور نہ شرع۔ لیکن جب قصاص خون عثمانؓ کا مسئلہ چھڑا تو یہ مسئلہ اختلافی بن گیا۔ لوگ دو مختلف خیموں میں بٹ گئے۔ ایک خیمہ کہتا تھا کہ قتل عثمانؓ صحیح ہے اس لئے قصاص کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ دوسرا خیمہ قتل عثمانؓ کو ناروا سمجھتا تھا اور وہ قصاص پر زور دے رہا تھا۔ قتل عثمانؓ کو صحیح سمجھنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اگر حضرت علیؑ قصاص کی طرف متوجہ ہوتے تو اس گروہ کے خفا ہو جانے کا اندیشہ تھا جس کی تعداد زیادہ تھی۔ پھر بھی حضرت علیؑ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے دوسرے دن ہی زوجہ عثمانؓ حضرت نائلہ کو بلا کر پوچھا کہ آپ قتل عثمانؓ کی چشم دید گواہ ہیں۔ آپ بتائیں کہ عثمانؓ کا قاتل کون ہے؟ حضرت علیؑ کے اس سوال پر حضرت نائلہ نے جواب دیا کہ میں ان کا نام نہیں جانتی۔ وہ کس کا بیٹا اور کہاں کا رہنے والا ہے میں نہیں جانتی۔ تاریخ کہتی ہے کہ انہوں نے دو شخصوں کا صرف حلیہ بتایا تھا۔ حضرت علیؑ نے حضرت نائلہ کے بتائے ہوئے حلیہ کے مطابق ان دونوں کو تلاش کرایا، مگر وہ دونوں روپوش ہو گئے اور نہیں ملے۔ ابھی تلاش جاری تھی کہ (جمادی الثانی سنہ ۳۷ ہجری) حضرت عائشہؓ نے طلحہ، زبیر اور اہل بصرہ و کوفہ کے ساتھ مل کر حضرت علیؑ پر حملہ کر دیا۔ طلوع اسلام کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف بے نیام ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ نے وصیت رسول کا پاس نہ رکھا جب کہ اس کی پیشین گوئی رسول کر چکے تھے کہ میری ازواج میں ایک زوجہ ایسی ہوگی جس پر حوابٔ کے کتے بھونکیں گے جو غلط راہ پر

ہوگی۔ حواب کے کتے بھونکے مگر حضرت عائشہؓ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ یہ جنگ حضرت عائشہؓ کے شایان شان نہ تھی۔ حضرت عائشہؓ کے لئے لازم تھا حجاب واحترام، لیکن انہوں نے اس پردے کو چاک کردیا جسے اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب کے ذریعہ عورتوں پر پابندی عائد کی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اس نازیبا اور قبیح کام کے لئے ان ازواج رسولؐ (حضرت حفصہؓ، ام سلمہؓ، جویریہؓ، ام حبیبہؓ، صفیہؓ، میمونہؓ) کی بھی مدد چاہی تھی جو اس وقت زندہ تھیں۔ مگر ان لوگوں نے اس نازیبا اور قبیح کام کے لئے ان کا ساتھ دینے سے صاف انکار کردیا اور کہا کہ ہمیں گھر سے باہر نکلنا اور خاص طور پر علیؓ سے جنگ کرنے کے لئے باہر نکلنا زیب نہیں دیتا۔ آں حضرتؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیں مخاطب کر کے کہا تھا کہ اس حج کے بعد اپنے گھروں میں بیٹھنا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف لشکر جمع کیا جس کے نتیجے میں ایسی خوں ریز، ہولناک اور تباہ کن جنگ وجود میں آئی جس سے تاریخ اسلام آج تک شرمسار ہے۔ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ کی فوج میں تیس ہزار آدمی تھے جس میں سے نو ہزار آدمی مارے گئے اور حضرت علیؓ کی فوج میں بیس ہزار آدمی تھے جس میں سے ایک ہزار آدمی مارے گئے۔ جنگ جمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کا شیرازہ بکھر گیا اور حضرت علیؓ کا دور حکومت خانہ جنگیوں اور اندرونی جھگڑوں میں الجھ کر رہ گیا۔ حضرت علیؓ کو وہ اقتدار حاصل نہ ہو سکا جو سابقہ خلفائے اسلام کو حاصل تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب عمل میں آیا تو یہ عمل حضرت علیؓ کو پسند نہ آیا۔ اس وقت ہزاروں لوگ ایسے تھے جو آپ کا ساتھ دینے کے لئے ہمہ تن کھڑے تھے مگر آپ خاموش رہے۔ آپ نے سمجھا کہ اگر تلوار لے کر کھڑے ہوتے ہیں تو یہ عمل اسلام کی بنیادوں کو متزلزل کردے گا۔ آپ نے بھی

بھی کسی بھی خلیفہ کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی اور نہ کبھی کسی کو بھڑکایا۔ آپ رسول خدا کی وصیت کے مطابق خاموش رہے اور صبر وتحمل سے کام لیا۔ آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ فضا میں ارتعاش پیدا کی جائے۔ اور ہنگامہ آرائیوں سے اسلام کو برباد کیا جائے۔ آپ نے نہیں چاہا کہ کوئی قدم ایسا اٹھایا جائے جس سے اسلام کو نقصان پہنچے۔ آپ ماحول کی تلخیوں اور زمانہ کی نیرنگیوں سے متاثر ہوئے بغیر ہمہ تن اسلام کے فروغ وارتقاء اور علوم ومعارف کے احیاء اور تدوین احکام اور جمع قرآن کا کام انجام دیتے رہے۔ اس کے برعکس حضرت عائشہؓ، طلحہ، زبیر، مروان، معاویہ وغیرہ اسلامی تعلیمات کو طاق پر رکھ کر شر اور فساد کرتے رہے۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی شکست کے بعد معاویہ بن ابوسفیان کو اپنی حکومت کے جانے کا خطرہ محسوس ہوا تو وہ حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیرہن اور ان کی اہلیہ کی کٹی ہوئی انگلیاں دکھا کر اہل شام کو مشتعل کرنے لگے کہ علیؑ نے عثمانؓ کو قتل کر کے پوری مملکت اسلامیہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور اب وہ بزور شمشیر شام فتح کرنا چاہتے ہیں۔ معاویہ نے شام کے روسا اور بارسوخ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ شہر شہر اور قصبہ قصبہ جا کر علیؑ کے خلاف لوگوں کو مشتعل کریں اور لوگوں پر یہ اثر قائم کریں کہ سوائے معاویہ کے کوئی دوسرا ایسا نہیں جو مظلوم عثمانؓ کے خون کا قصاص لے سکے۔ معاویہ کے اس پروپیگنڈے سے اہل شام حضرت علیؑ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اس کمربستگی کا نتیجہ جنگ صفین نکلا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو تحمل سے کام لینا چاہئے تھا اور معاویہ کو ہٹانا نہیں چاہئے تھا۔ حضرت علیؑ کی عجلت دیکھ کر کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور عرض کیا کہ عمال کی تبدیلی میں جلدی نہ کریں۔ اور معاویہ کو ہرگز نہ چھیڑیں۔ اور اسے شام کا حاکم بنا رہنے دیں۔ لیکن حضرت علیؑ نے کسی کی نہ سنی اور معاویہ کی معزولی کے احکامات جاری

کر دے۔ لوگوں کا تبصرہ حضرت علیؑ کے متعلق بس ایسا ہی ہے کہ ایک شخص بت پرست تھا جو مسلمان ہو گیا۔ وہ ایک بزرگ پیر کا مرید بھی تھا۔ ایک دن وہ مرید اپنے بزرگ پیر کے ساتھ جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک قد آور بت ملا۔ بت پرست اس قد آور بت کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی پوجا کرنے لگا۔ اس بت پرست کے بزرگ پیر نے جب اپنے مرید کا یہ حال دیکھا تو اسے سمجھایا اور کہا کہ اب تم مسلمان ہو گئے ہو تمہیں بت کی پوجا کرنا زیب نہیں دیتا۔ اس بت پرست نے جواب دیا کہ مولوی صاحب! یہ ایسا ویسا بت نہیں ہے۔ یہ بہت بڑا اور غیر معمولی بت ہے۔ ایسے بتوں کی ان دیکھی نہیں کی جا سکتی۔ ہم مسلمان ہو گئے تو کیا ہوا ایسے بتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی قدر کرنی لازم ہے۔ اس کی بھی پوجا کر لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت علیؑ ایک ایسے انسان تھے جو فریب اور چالاکی سے قطعاً پاک اور مبرا تھے۔ آپ کے نزدیک حق اور سچ کو تسلیم کر لینا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ حق اور سچ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں معاویہ اور خاندان امیہ بہت ترقی پا چکے تھے۔ ان لوگوں نے خلیفہ ثالث کے دور سے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ خلیفہ ثالث اپنے قرابت داروں کے ساتھ غیر معمولی مراعاتیں برتتے تھے۔ ان کی غلطیوں کی چشم پوشی کرتے تھے۔ معاویہ جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ جس طرح چاہتے تھے رعایا کو ستاتے تھے اور جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے۔ نہ مرکز سے باز پرس کا اندیشہ تھا نہ پوچھ گچھ کی فکر۔ حضرت عثمانؓ نے کبھی بھی معاویہ کو نہیں ٹوکا۔ انہیں کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔ لوگ معاویہ کی بیجا اور ناجائز حرکتوں سے بیزار ہو چکے تھے۔ معاویہ کی نظر میں جو کچھ تھا بس یہی دنیا اور دنیاوی سلطنت اور عیش و آرام۔ وہ ایک خود غرض اور مفاد پرست عامل تھے۔ حضرت

علی کا نظریہ تھا کہ ایک خود غرض اور مفاد پرست عامل کبھی بھی ملک کے نظم وضبط کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس میں بد عنوانی آئے گی۔ وہ اپنے مفاد کے لئے فتنہ وشر اور لاقانونیت پیدا کر سکتا ہے جس سے امن وامان درہم برہم ہو سکتا ہے۔ اگر عامل رشوت خور ہو گا تو عوام بھی اسی ڈگر پر چل نکلے گی۔ وہ تمام اخلاقی قدروں کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے ملکی فضا کو مکدر کر کے رکھ سکتا ہے۔ اگر عامل بلند کردار، نیک سیرت اور دیانت دار ہو گا تو عوام میں بھی حسن عمل کا جذبہ پیدا ہو گا۔ حضرت علی چاہتے تھے کہ ان کے عمال ایسے ہوں جو عوام کی فلاح وبہبود کو سمجھیں۔ وہ ذاتی مفاد اور زر پرستی کے غلام نہ ہوں۔ ان کے طور واطوار اچھے ہوں۔ وہ امین اور دیانت دار ہوں۔ حضرت علی نے خلیفہ ثالث کے ان ہی عمال کو برطرف کیا تھا اور کرنا چاہا تھا جو خود سر، ناعاقبت اندیش، امور نظم ونسق سے بے خبر، سرمایہ داری کا رجحان رکھنے والے، شریعت الہیہ میں تحریف کرنے والے اور عیش پسند شراب خور تھے۔ حضرت علی کا دور خلافت پریشانیوں میں الجھا رہا۔ جنگ صفین کے بعد خارجی حضرت علی سے خفا ہو گئے۔ خارجیوں کی شورش کا معاویہ نے خوب فائدہ اٹھایا۔ حضرت علیؑ و خارجیوں میں الجھا دیکھ کر معاویہ نے عمرو بن عاص کے ذریعہ مصر فتح کر لیا۔ مصر فتح کرنے کے بعد معاویہ کی نظر بصرہ پر پڑی۔ مگر اس میں ان کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اہل فارس نے جب دیکھا کہ کوفہ، بصرہ اور مصر کے لوگوں میں اختلاف موجود ہے تو وہ بھی بغاوت پر اتر آئے۔ انہیں ایام میں خارجی جو نہروان کی جنگ میں کافی تعداد میں مارے گئے تھے انہوں نے حضرت علی کے قتل کا منصوبہ تیار کیا اور موقع دیکھ کر حضرت علیؑ کو قتل کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۱ رمضان ۴۰ ہجری حضرت علی کی شہادت کے بعد لوگوں نے حضرت امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت علی کی شہادت کے وقت اہل کوفہ کو

منتشر دیکھ کر معاویہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ امام حسن بھی اپنی فوج کے ساتھ تیار ہیں تو انہوں نے حضرت امام حسن کے پاس پیغام بھجوایا کہ صلح جنگ سے بہتر ہے۔ حضرت امام حسن صلح کے لئے تیار ہو گئے۔ لوگوں نے جب صلح کی بات سنی تو وہ برہم ہو گئے۔ وہ سب کے سب حضرت امام حسن کے خیمے میں گھس آئے اور افراتفری مچا کر حالات کو بے قابو کر دیا۔ عراقیوں نے آپ کا لباس پکڑ کر پھاڑ ڈالا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ کی جانماز چھین لی۔ آپ کے کاندھے پر سے چادر چھین لی اور خیمہ کی ہر چیز لوٹ لی۔ بمشکل تمام حضرت امام حسن گھوڑے پر سوار ہوئے اور مدائن چلے آئے۔ لوگوں کی بے رخی اور کمینہ پن دیکھ کر حضرت امام حسن نے معاویہ کی پیش کش کو منظور کر لیا اور ربیع الاول ۴۱ ہجری میں صلح کر لی۔ معاویہ سے صلح کر کے امام حسن کوفہ چلے آئے اور کچھ دن وہاں رہ کر اپنے نانا کے شہر مدینہ چلے آئے۔

صلح حسن کے بعد معاویہ کی حکومت بہت مستحکم ہو گئی۔ ان کے ہاتھ میں اتنی طاقت آ گئی کہ وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے شرائط صلح پر عمل کرنا بند کر دیا۔ معاویہ جانتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ اور مذہبی پیشوا بننے کے لائق نہیں۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ خلافت اسلامیہ کے حقدار اور صلاحیت کار آل نبیؐ ہیں۔ پھر انہیں یہ بھی خیال تھا کہ صلح کی شرائط کے مطابق ان کی وفات کے بعد حکومت آل نبی کی طرف عود کر جائے گی۔ لیکن حکمرانی کی لالچ اور ہوس ان کے دل میں اس طرح پیوست تھی کہ اسے وہ نکالنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ نبیؐ اور آل نبی کی عزت کرنے والے اور ان کے ماننے اور چاہنے والے بہت ہیں۔ لہذا صلح حسن کے بعد انہوں نے حضرت علیؑ اور آل نبی کی عظمت کو گرانے کے لئے خود

منبروں پر سے تبرا پڑھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنے عمال کو حکم دیا کہ وہ برسر منبر نمازوں میں، خطبوں میں، قنوتوں میں علیؑ اور آل نبیؐ کی توہین آمیز کلمات استعمال کریں جس سے ان کی تضحیک ہو اور لوگ ان کی نسبت اچھی رائے قائم نہ کرسکیں۔ اس سلسلے میں اگر کوئی رکاوٹ پیدا کرتا تھا تو اسے ایسی عبرتناک سزا سر بازار دی جاتی تھی کہ کوئی بولنے کی ہمت نہیں کر پاتا تھا۔ بدگمانی کی بنا پر بغیر تحقیق و تفتیش کے لوگ قید کر دیے جاتے تھے۔ لوگوں میں ڈر و خوف پیدا کرنے کے لئے انہیں جرم سرزد ہونے سے پہلے ہی سزا دے دی جاتی تھی۔ حضرت امام حسن معاویہ کا ظلم دیکھ رہے تھے، لیکن ضبط و تحمل سے کام لے کر خاموش رہے۔ معاویہ کو حضرت امام حسن سے ڈر تھا کہ کہیں وہ صلح کی شرائط کو توڑ کر جنگ پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ لہذا انہوں نے خفیہ طور پر امام حسن کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کے معرفت انہیں انگور میں زہر دیا۔ جعدہ بنت اشعث کو حضرت امام حسن سے بغض اس لئے تھا کہ حضرت علی جعدہ بنت اشعث کے والد اشعث بن قیس، جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آذر بائیجان کے عامل تھے انہیں برطرف کر دیا تھا اور ناجائز طور پر انہوں نے جو مال جمع کیا تھا اسے بیت المال میں جمع کرا دیا تھا۔ آخر کار ۲۸ رصفر ۵۰ ہجری کو صلح و امن کا پیامبر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت امام حسن کی وفات کے بعد اہل عراق نے حضرت امام حسینؑ کی طرف رجوع کیا۔ لیکن حضرت امام حسینؑ بھی اپنے بھائی کی ڈگر پر چلتے ہوئے امن و امان قائم رکھنے کی خاطر حکومت شام کی چیرہ دستیوں اور شرائط کی خلاف ورزی کو دیکھتے رہے اور خاموش رہے۔ معاویہ نے حضرت امام حسینؑ کی خاموشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عراق کے محبان اہل بیت رسول کو ایک ایک کر کے ملک بدر کر دیا اور

انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ بغض علی میں انہوں نے بہت سی اسلامی باتوں کو رد کر دیا جسے حضرت علیؑ انجام دیتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ان کاموں کو کریں جو علی کرتے تھے۔ وہ رسولِ خدا کی ہر سنت اور اسلام کے ہر طریقے کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ غرور و تکبر اور دولت و ثروت اور طاقت کے نشے میں وہ اس حد تک بہک گئے تھے کہ خود کو "رسول اللہ" کہلانا پسند کرتے تھے۔ جب معاویہ نے ہر طرف سے اپنی حکومت کا راستہ ہموار کر لیا تو اموی حکومت کو تا قیامت قائم کرنے کے لئے انہوں نے اپنے بیٹے یزید کی جانشینی کا اعلان کر دیا۔ اس جانشینی کو مذہبی رنگ دینے کے لئے طرہ یہ نکالا کہ خلافت کے متعلق مسلمانوں میں ہمیشہ ہنگامہ آرائی ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی بہتری کے لئے مناسب ہے کہ یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا جائے تاکہ مستقبل میں کسی طرح کی ہنگامہ آرائی نہ ہو۔ یزید کی جانشینی کا اعلان ہوتے ہی لوگوں میں خلفشار مچ گیا۔ خلفشار کی وجہ اس کے لغو افعال، شراب خوری، زنا کاری، بدمستی، لاابالی، آوارگی، بدمزاجی، قرآن مجید کے ساتھ تمسخر تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "لوگو اٹھو! گانوں کی صدا سنو۔ شراب پیو اور دوسری باتوں کا ذکر چھوڑ دو۔ مجھ کو ستار اور سارنگی کے نغموں سے اذان کی آواز سننے کی فرصت نہیں۔ میں نے شیشے کی پری کو پسند کر لیا ہے"۔ معاویہ نے اس نشہ رو دو سے اور اپنے مقصد بازیابی کے لئے جسے راستہ کا کانٹا سمجھا اسے کسی نہ کسی بہانے اور کسی نہ کسی طریقے سے ڈرا دھمکا کر یا دبا کے وفادار بناتے گئے۔ معاویہ نے مرنے سے قبل تک زور زبردستی اور طاقت سے ساری زمین ہموار کر لی اور شام، عراق، حجاز، بحرین، عمان، خراسان وغیرہ سب جگہ عمال کے ظلم و ستم کے ذریعہ یزید کی بیعت لے لی۔ لیکن حجاز کے تین افراد اور ان کے کچھ بہی خواہ ایسے تھے جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ یہ تین افراد حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ

زبیر کے بیٹے عبداللہ اور علی کے بیٹے امام حسین تھے۔ یزید نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اپنے چچازاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابوسفیان جو مدینہ کے عامل تھے خط لکھا کہ وہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی سے بیعت لے اور جو تعرض کرے اس کا سر کاٹ کر اس کے پاس بھیج دے۔ ولید بن عتبہ نے امام حسین کو بلایا اور یزید کا پیغام سنایا۔ حضرت امام حسین نے انکار بیعت کیا۔ اس انکار پر سابق عامل مدینہ مروان بن حکم نے ولید بن عتبہ کو مشورہ دیا کہ وہ فوراً امام حسین کا سر قلم کر کے یزید کے پاس بھیج دے۔ مگر ولید بن عتبہ جو شریف طبیعت کے آدمی تھے انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت امام حسین سمجھ گئے کہ مدینہ کی فضا بگڑ رہی ہے اور کسی بھی وقت یزیدی لشکر آپ پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ امن و امان کی خاطر اور نانا کے شہر کی حفاظت کی خاطر کہ اس شہر میں خون خرابہ صحیح نہیں آپ نے اپنے اہل وعیال اور اعزہ سے مشورہ کیا اور ہجرت مکہ کا فیصلہ لیا کہ مکہ جائے امان ہے۔ وہاں کسی قسم کا ضرر نہیں ہوگا۔ یزید کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو اس نے ولید بن عتبہ کو برطرف کر دیا اور اس کی جگہ عمرو بن سعید بن عاص کو مدینہ کا عامل مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ حسین بن علی سے بیعت لے۔ اور اگر وہ انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر ان کے پاس بھیج دے۔ عمرو بن سعید نے یزید کے حکم کی تعمیل میں ایک زبردست فوج مکہ کی جانب بھیجی اہل مکہ کو جب یزید کی کفرانہ حرکت کی خبر لگی تو وہ مکہ سے باہر نکل کر خانہ کعبہ کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے یزیدی لشکر کا مقابلہ کرنے آگئے۔ اور یزیدی فوج کو شکست دے کر اس کے سپہ سالار عمرو بن زبیر کو گرفتار کر لیا۔

اہل کوفہ کو جب اس بات کی خبر لگی کہ امام حسین یزید کی بیعت سے انکار کر کے مدینہ سے مکہ چلے گئے ہیں تو انہوں نے حضرت امام حسین کو خط لکھا کہ وہ

اموی حکومت کے ظلم وتشدد اور غیر شرعی اصولوں کی پابندی سے بیزار ہو چکے ہیں۔ اموی حکومت نے اطاعت شیطانی کو اپنا راستہ بنالیا ہے۔ وہ ملت اسلامیہ کے بدکردار ے نوش، شہوت پسند، تارک الصلوٰۃ اور نفسانی خواہشوں کے پرستار خلیفہ سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔ اس ناگفتہ بہ تموج اور تلاطم حالات میں ان کا کوئی نہیں جو ان کی رہنمائی کرے اور انہیں اس کرب سے چھٹکارا دلائے۔ آپ یہاں تشریف لائیں اور ہماری رہنمائی کریں۔ اگر آپ تشریف نہیں لائے اور ہماری رہنمائی نہیں کی تو ہم گمراہ ہو جائیں گے۔ ہم پر شیطانیت کی طرف سے اس قدر دباؤ ہے کہ دین مصطفوی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ آپ ہمارے نبی کے وارث ہیں۔ اگر آپ نے ہماری مدد نہیں کی تو ہم روز قیامت آپ کے دامن گیر ہوں گے اور اللہ سے فریاد کریں گے کہ ہماری گمراہی کے ذمہ دار حسینؑ ہیں۔ ہم نے ان سے رہنمائی چاہی، ہم نے ان سے سہارا چاہا مگر انہوں نے ہماری طرف دیکھا نہیں اور اپنا ہاتھ مدد سے کھینچ لیا اور ہمیں کفر کے اندھیرے غار میں دھکیل دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے جب دیکھا کہ اہل کوفہ نے انہیں رسول کا وارث اور مذہب اسلام کا محافظ سمجھتے ہوئے خدا کا واسطہ دے کر حجت تمام کر دی ہے تو آپ کو اللہ کے اس حکم کا خیال آیا جس کا اللہ تعالیٰ نے علماء سے وعدہ لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون وقرار سے نہ بیٹھیں، اہل عراق کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔

عام طور پر لوگ یہ کہتے ہیں کہ اہل بیت رسول شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ یہاں پر لفظ خلافت کی وضاحت کرنی ضروری ہے۔ ہم جب تک خلافت کے معنی ومطالب کو واضح طور پر نہیں سمجھیں گے اس وقت تک گمراہی کے غار میں بھٹکتے رہیں گے اور صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح سمجھتے رہیں گے۔

خلافت عربی لفظ ہے جس کے معنی نیابت اور جانشینی کے ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ نیابت اور جانشینی سے کیا مراد ہے؟ کس چیز کی نیابت اور کس چیز کی جانشینی؟ یہاں پر نیابت اور جانشینی سے مراد مذہب کی نیابت اور رسول کی جانشینی سے ہے۔ اس جواب کے بعد سوال یہ اٹھتا ہے کہ مذہب کی نیابت کون کر سکتا ہے اور رسول کا جانشین کون ہو سکتا ہے؟ قرآن حکیم میں اس کا جواب موجود ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے "**قال انی جاعلک للناس اماما. قال ومن ذریتی. قال لاینال عھدی الظلمین**" (سورہ بقرہ آیت ۱۲۴) اس (خدا) نے کہا" میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"۔ ابراہیم نے عرض کیا" اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے" اس (خدا) نے جواب دیا" میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے" اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری اولاد ہو سکتی ہے، مگر وہی اولاد ہوگی جو صالح ہوگی۔ ان میں سے جو ظالم ہوگا وہ امام نہیں ہو سکتا۔ اسلام مذہب کے نقطہ نگاہ سے خدائی مذہب کے پہلے مبلغ حضرت آدم تھے۔ حضرت آدم کے بعد حضرت شیث آئے۔ حضرت شیث کے بعد حضرت انوش۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو دنیا میں بھیجا۔ یہ سبھی معصوم اور بے خطا تھے۔ ارشاد ہو رہا ہے "**یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض**" (سورہ ص آیت ۲۶ پارہ ۲۳) اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ پھر ارشاد ہوا "**و آتینا داؤد زبورا**" (سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۵ پارہ ۱۵) اور ہم نے ہی داؤد کو زبور عطا کی۔ حضرت موسیٰ کے متعلق ارشاد ہوا "**وانا اخترتک فاستمع لما یوحی**" (سورہ طٰہٰ آیت ۱۳ پارہ ۱۶) ہم نے تم کو پیغمبری کے واسطے منتخب کیا ہے تو جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو۔ پھر ارشاد ہوا "**واذ آتینا موسی الکتب و الفرقان لعلکم تھتدون**" (سورہ بقرہ

آیت ۵۳ پارہ ۱) اور موسیٰ کو کتاب توریت عطا کی اور حق و باطل کو جدا کرنے والا قانون عنایت کیا۔ ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدو مبشرا ونذیرا '' (سورہ احزاب آیت ۴۵ پارہ ۲۱) اے نبی ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا گواہیاں دینے والا، خوشخبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا۔ پھر فرمایا "ولقد ارسلنا من قبلک فی شیع الاولین '' (سورہ حجر آیت ۱۰ پارہ ۱۳) اے رسول ہم نے آپ سے پہلے بھی اگلی امتوں میں اور بھی بہت سے رسول بھیجے۔

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ خود اپنا مذہبی خلیفہ بناتا ہے اور وہی اس کا جانشین بھی مقرر کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی آیتوں میں ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ اس نے روز اول سے ہر عہد اور ہر ملک میں ایک ہی طرح کے احکام نافذ کئے ہیں۔ اس کے احکام اور کام کرنے کے طریقے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اس کے احکام ہمیشہ اور ہر حال میں ایک اور اٹل رہے ہیں۔ کبھی کچھ کبھی کچھ اس کی فطرت میں شامل نہیں ہے۔ شہد میٹھا ہوتا ہے اور سنکھیا کڑوا۔ شہد انسانی جسم کے لئے مفید ہوتا ہے اور سنکھیا مضر۔ ماضی میں شہد کی جو تاثیر تھی وہی مستقبل میں بھی رہے گی۔ وقت کے بدلنے سے تاثیر نہیں بدلے گی۔ سورہ احزاب میں ارشاد ہو رہا ہے "سنت اللہ فی الذین خلوا من قبل و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا'' (آیت ۶۲ پارہ ۲۱) یعنی جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے لئے اللہ کی سنت یہی رہی ہے۔ اور اللہ کی سنت میں تم کبھی ردو بدل نہیں پاؤ گے۔ سورہ فاطر میں ارشاد ہو رہا ہے "تجد لسنۃ اللہ تبدیلا' (آیت ۴۳ پارہ ۲۱) یاد رکھو کہ تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلا ہوا نہیں پاؤ گے۔ ملت اسلامیہ کا اتفاق اس بات پر ہے کہ اللہ نے اپنے نبیوں کا انتخاب

خود کیا اور جسے اس نے مناسب اور بہتر سمجھا نبی بنا کر بھیجا۔ نبی کے انتخاب کا معاملہ اس نے اپنے بندوں کے سپرد کبھی نہیں کیا اور نہ کسی بندے نے کبھی اپنی مرضی اور خواہش سے کسی کو نبی بنایا اور نہ کبھی کسی انسان نے اس بات کا دعویٰ کیا۔ حضرت علی جانتے تھے کہ وہ آنحضرت کے جانشین اور مسلمانوں کے خلیفہ اول ہیں۔ آپ کو اس وقت سخت تعجب ہوا جب لوگوں نے آپ کو سقیفہ بنی ساعدہ کا قصہ سنایا۔ حضرت علی کے دل کو چوٹ پہنچی کہ ابھی رسول کا لاشہ غسل کے بعد سوکھا بھی نہیں ہے کہ لوگوں نے تعلیمات رسول کو بھلا دیا اور آں حضرت کے منتخب شدہ جانشین اور خلیفہ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ حضرت علی نے ہر طرح سے سمجھایا یہاں تک کہ اس دلیل کو بھی پیش کیا جس دلیل سے برسراقتدار طبقے نے انصار مدینہ کو قائل کیا تھا۔ حضرت علی کا یہ احتجاج صرف اس لئے تھا کہ مسلمان خدا کے بتائے ہوئے طریقے کو نہ بھولیں۔ اس میں نہ حکومت کی ہوس کارفرما تھی اور نہ اقتدار کی خواہش۔ اگر حضرت علی کو حکومت واقتدار کی ہوس ہوتی تو وہ ان تمام حربوں کو کام میں لاتے جو ایک سیاست داں عام طور پر لاتا ہے۔ وہ عوام کا تعاون لے کر حکومت وقت سے ٹکرا سکتے تھے اور اقتدار پر قابض ہو سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ حضرت علی کی مدبرانہ خاموشی سے لوگوں نے دباؤ ڈالا کہ وہ حضرت ابوبکر کی بیعت کرلیں۔ حضرت علی نے گلے میں رسی لگوانا پسند کیا مگر بیعت کرنا پسند نہیں کیا۔ حضرت علی حضرت ابوبکر کی بیعت کر بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ خدائے تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں کو توڑ نہیں سکتے تھے کیونکہ خلافت و نبوت منصوص من اللہ ہوتی ہے۔ حضرت علی نے کبھی بھی کسی بھی خلیفہ کی بیعت نہیں کی اور کسی بھی خلیفہ نے حضرت علی کو (پہلی بار کے علاوہ) کبھی بھی بیعت کے لئے مجبور نہیں کیا۔ معاویہ نے بھی حضرت حسن سے بیعت کا سوال نہیں کیا تھا۔ حضرت حسن

نے صلح کے بعد معاویہ کو صرف حکومت دی تھی، رسول خدا کی جانشینی کا حق نہیں دیا تھا۔لیکن بعد وفات معاویہ اس کے بیٹے یزید نے حضرت امام حسینؑ سے بیعت کا سوال کھڑا کردیا۔اگر یزید امام حسینؑ سے بیعت کے بجائے حکومت مانگ لیتا تو امام حسنؑ کی طرح آپ بھی اسے حکومت دے دیتے۔لیکن اس نے امام حسینؑ سے ایسی چیز مانگی تھی جسے وہ نہیں دے سکتے تھے۔یزید امام حسینؑ سے بیعت لے کر خدائی اصول کو توڑنا چاہتا تھا کہ خلافت، امامت اور نبوت منصوص من اللہ نہیں ہوتا ہے۔وہ بیعت لے کر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ انسان خود ساختہ خلیفہ بن سکتا ہے۔اسے اللہ کے سہارے کی ضرورت نہیں۔خلافت، امامت اور نبوت منصوص من اللہ نہیں ہوتا بلکہ خود ساختہ ہوتا ہے۔اللہ کے تمام نبی خود ساختہ نبی تھے۔انہیں اللہ نے منتخب نہیں کیا تھا۔وہ اپنی کاوش سے نبی بنے تھے اور اس طرح ایک ظالم و فاسق انسان بھی اپنے ظلم واستبداد ،دولت وثروت، حشم وخدم کے زور پر خلیفہ بن سکتا ہے۔وہ امام حسینؑ سے بیعت لے کر اس دعویٰ کی تائید کرنا چاہتا تھا جو رسولؐ کی وفات کے بعد طلیحہ اسدی، مسیلمہ بن کذاب، ملکہ سباح اور لقیط بن مالک نے دعوائے نبوت کیا تھا۔وہ امام حسینؑ سے بیعت لے کر مذہب اسلام میں ان چیزوں کو پھر سے رائج کرنا چاہتا تھا جسے اسلام نے فسخ کردیا تھا۔یہی سبب تھا کہ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا اور سر کٹانا پسند کیا۔

مسلمانوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو معرکہ کربلا کو دو شہزادوں کی جنگ کہتے ہیں۔وہ اس کو حق و باطل کی جنگ کہنے سے گریز کرتے ہیں۔وہ یزید کو ظالم اور باطل حکمراں ماننے سے بھی انکار کرتے ہیں۔نہ معلوم ان کی نگاہ میں ظالم اور باطل کے کیا معنی ومطالب ہیں؟ وہ ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم، حق کو باطل اور باطل کو حق

کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی چرب زبانی اور قلم کے زور سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ سے اس طرح خلط ملط کر دیا ہے کہ پہچان میں نہیں آتا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے اور سچ کیسے سمجھا جائے اور جھوٹ کیسے سمجھا جائے؟ اس موقع پر مجھے قرآن حکیم کی وہ آیت یاد آ رہی ہے جس میں خدائے تعالیٰ یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:

"یا اهل الکتب لم تلبسون الحق بالباطل و تکتمون الحق و انتم تعلمون" (آل عمران آیت ۷۱، پارہ ۳) اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہو؟ کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو؟ یہ مسلمان وہی کردار ادا کر رہے ہیں جو یہودی آں حضرت کی حیات طیبہ میں کر رہے تھے اور بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرتے تھے۔

باب-۵

اس باب میں ہم
واقعۂ کربلا
کے متعلق گفتگو کریں گے

کوفہ سے صدا آئی کہ اے داور و سرور

بادل میں چھپا جاتا ہے اب دینِ منور

تم ہی مہ انور ہو، تم ہی حق کے ہو رہبر

ہم کو بھی عطا بوند ہو، اے ساقیِ کوثر

پانی نہ ملا آپ سے تو یاد رکھیں گے

ہم حشر میں اللہ سے فریاد کریں گے

(سید معصوم رضا)

واقعۂ کربلا:

تاریخ اسلام میں واقعہ کربلا ایک شرمناک واقعہ ہے جس پر جتنا آنسو بہایا جائے کم ہے۔ان آنسوؤں کی حیثیت دو طرح کی ہے۔ایک حیثیت مسلمانوں کی ان حرکتوں پر آنسو بہانے کی ہے جنہوں نے خدائی احکام اور اقوال رسول کو فراموش کر کے سبط پیغمبر سیدنا حضرت امام حسینؓ اور اہل بیت کے ساتھ ناروا سلوک کیا۔دوسری وجہ آنسو بہانے کی یہ ہے کہ ہم آل رسول کے آلام و مصائب سوچ کر آنسو بہائیں کہ ان لوگوں نے اسلام کی بقا و حفاظت کے لئے کیسے کیسے آلام و مصائب برداشت کئے۔کسی واقعہ کو بیان کر دینا بہت آسان ہے۔مگر اسے سہنا اور برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔ذرا غور کریں اس وقت سیدنا حضرت امام حسینؓ پر کیا گزری ہوگی جب آنکھوں کے سامنے بچپن کے ساتھی اور اصحاب قتل کئے جارہے ہوں گے۔اس وقت کیا بیتی ہوگی جب بھانجے، بھتیجے، بیٹے اور بھائی مدد کے لئے پکار رہے ہوں گے اور امام بے بس و مجبور کھڑے ہوئے ہوں گے۔اس آواز کو کانوں نے کس طرح برداشت کیا ہوگا جب چھوٹے چھوٹے بچوں نے صدائے العطش بلند کی ہوگی۔خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو آل رسول سے محبت کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ **"قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ"** (سورہ شوریٰ آیت ۲۳ پارہ ۲۵) اے نبی ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس کام (تبلیغ رسالت) پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔البتہ قرابت داروں کی محبت ضرور چاہتا ہوں۔مگر لوگوں نے محبت کا فرض ادا نہیں کیا۔آیہ تطہیر **"انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا"** (سورہ احزاب آیت ۳۳ پارہ ۲۲) اور آیہ مباہلہ **"فقل تعالوا ندع ابناء نا و ابنائکم ونساؤنا ونسائکم و انفسنا انفسکم"**

(سورہ آل عمران آیت ۶۱ پارہ ۳) کے واقعات نے بتا دیا تھا کہ رسول کا قرابت دار کون ہے؟ قرآنی آیات کے علاوہ متعدد حدیثیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آں حضرت کا قرابتدار کون ہے؟ ارشاد ہو رہا ہے بغیر حب علی جنت حرام ہے۔ کوئی محض کتنا ہی عابد و زاہد ہو اگر اس کے دل میں حب علی نہیں تو اس کی عبادت و اعمال بے فیض ہیں۔ اس کے اعمال اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے اور وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔ حب علی علامت ایمان اور بغض علی علامت کفر و نفاق ہے۔ حضرت امام حسین کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے 'حسین منی و انا من الحسین' حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ 'احب اللہ من احب حسینا' اے اللہ اسے دوست رکھ جو حسین کو دوست رکھے۔ ہمارے نبی کریم نے ہر جگہ اور ہر موقع پر یہ بتا دیا کہ میرے قرابتدار کون ہیں اور ان سے کیسی محبت کرنی چاہئے؟ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی آں حضرت نے ہماری ہدایت کے لئے فرمایا تھا کہ ''انی تارکم فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی'' میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری عترت یعنی اہل بیت۔ تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ بعد وفات رسول مسلمانوں نے عترت رسول یعنی رسول کے بیٹے، بیٹیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ان ہی بیجا سلوک کا نتیجہ واقعہ کربلا تھا۔

وفات رسول کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سیاسی دور آیا۔ یہ دونوں دور معمولی واقعات کے باوجود خیر و خوبی سے گزر گیا۔ لیکن تیسرا دور ایسا آیا جس میں اموی حکومت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ گزشتہ زمانے کی آب و ہوا کے مقابلے میں اس زمانے کی آب و ہوا میں غیر معمولی تبدیلی آگئی تھی۔ گزشتہ زمانوں

میں مسلمانوں کی نگاہ میں مال و دولت کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ لیکن اس زمانے میں دولت سے عیش حاصل کرنا شروع ہو گیا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں جائیداد حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اس دور میں قومی اور قبائلی امتیازات تازہ ہو گئے تھے۔ ہر ایک قبیلے اور ہر ایک خاندان کی الگ الگ عصبیت قائم ہو گئی تھی۔ رسول خدا نے جو نسلی اور قبائلی امتیازات مٹا ڈالے تھے وہ اس زمانے میں اجاگر ہو گئے تھے۔ بنو امیہ کو عہد جاہلیت کی رقابتیں پھر یاد آ گئی تھیں۔ وہ اپنے اقتدار رفتہ کو پھر سے واپس لانے کی کوشش میں لگ گئے۔ وہ بنو ہاشم کے لوگوں کو نیچا دکھانے لگے۔ تیسرے دور کے بعد جب چوتھا دور آیا تو وہ بنو ہاشم کا دور تھا۔ بنی امیہ کے لوگوں کو اور خاص طور پر معاویہ کو یہ بات قطعی پسند نہیں آئی کہ بنو ہاشم کے لوگ صاحب اقتدار بنیں۔ ان لوگوں نے حضرت علی کی مخالفت کی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا فائدہ اٹھا کر قتل کا سارا الزام حضرت علی کے سر تھوپ دیا اور عوام الناس کو ورغلایا۔ معاویہ نے حکومت و اقتدار کی چاہت میں مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ حضرت امام حسن نے انتہائی ایثار و قربانی اور رکیک الزامات اپنے سر لے کر اور تاج شاہی کو ٹھوکر مار کر فقیری اختیار کر کے معاویہ سے صلح کر کے مسلمانوں کے درمیان جو خانہ جنگی اور کشت و خون چلا آ رہا تھا اسے ختم کرنا چاہا۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ تخت شاہی پر بیٹھتے ہی معاویہ نے یزید کی جانشینی کا راستہ نکالنا شروع کر دیا۔ انہوں نے صلح کی شرائط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے محبان اہل بیت رسول کو چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس قتل سے افراتفری کا بازار گرم ہو گیا۔ مگر کسی میں اتنی جرأت و ہمت نہیں تھی کہ کھلے عام مقابلے کے لئے آتا۔ بعد وفات معاویہ جب یزید باپ کی جگہ تخت نشین ہو گیا تو اس نے ایک بار پھر محبان اہل بیت رسول پر ظلم ڈھانا شروع کر دیا۔ اس نے اپنی طاقت کے زور پر امام

حسینؑ پر زور ڈالا کہ آپ اس کی بیعت کر لیں اور اسے رسول کا مذہبی جانشین مان لیں۔ حضرت امام حسینؑ کو قطعی طور پر یزید کی بیعت ناپسند تھی۔ کیونکہ آپ خود شرعی طور پر بعد وفات امام حسنؑ رسول کے جانشین تھے۔ یزید اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ حسینؑ شرعی طور پر رسول کے جانشین ہیں۔ مگر اس نے جان بوجھ کر امام حسینؑ پر اپنی بیعت کا زور ڈالا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ رسول کا دعویٰ کہ وہ خدا کے بنائے ہوئے نبی تھے غلط تھا اور اس کے اجداد جو رسول کی مخالفت کرتے تھے اور انہیں نبی نہیں مانتے تھے سچ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ حسینؑ سے بیعت لے کر یہ ثابت کر دے کہ انسان خواہ کتنا ہی برا، بدکردار، شرابی اور زانی کیوں نہ ہو خود ساختہ نبی ہو سکتا ہے اور خود ساختہ خلیفہ بھی ہو سکتا ہے۔ نبی اور خلیفہ کے لئے کوئی ضروری نہیں کہ وہ اللہ کا برگزیدہ اور متقی بندہ ہو اور اسے اللہ منتخب کرے۔

طلب بیعت کے بعد حضرت امام حسینؑ نے مدینہ میں رہنا پسند نہیں کیا۔ آپ مکہ چلے آئے کہ مکہ امان کی جگہ ہے مگر جب وہاں بھی امان نہ ملا اور خون خرابہ کا خدشہ محسوس ہوا تو آپ نے کوفہ کا رخ اختیار کیا۔ کچھ کج فہم مسلمان اس موقع پر کہتے ہیں کہ مکہ میں جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ حسینؑ بن علیؑ کوفہ کو جانے والے ہیں تو لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ کو اس ارادے سے باز رکھنا چاہا اور سمجھایا کہ آپ کا کوفہ کی طرف روانہ ہونا خطرہ سے خالی نہیں۔ مگر آپ نے کسی کی بات نہیں مانی اور اپنی ضد پر قائم رہے۔ لوگوں نے آپ سے یہاں تک کہا کہ آپ بیعت لینے اور امارت حاصل کرنے کے لئے باہر نہ جائیں۔ آپ خاندان نبوت میں سے ہیں۔ دنیا کی طلب نہ کریں اور اپنے دامن کو دنیاوی آلائشوں سے دور رکھیں۔ یہ سب بات وہی کہہ سکتے ہیں جو منصب امامت و نبوت کو نہیں سمجھتے۔ جو شخص منصب نبوت و امامت سے

آگاہ ہے وہ ایسی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ وہ اس گہرائی کو نہیں سمجھتا کہ اہل مکہ امام حسینؑ کو کیوں منع کر رہے تھے۔ وہ اس گہرائی کو نہیں سمجھتا کہ امام حسینؑ کیوں کوفہ جا رہے تھے اور آپ کیا چاہتے تھے؟ اہل مکہ امام حسینؑ کی جان کی حفاظت چاہتے تھے اور امام حسینؑ اسلام کی حفاظت چاہتے تھے۔ اہل مکہ کی نگاہ میں اگر امام حسینؑ مکہ نہ چھوڑتے تو محفوظ رہتے۔ حضرت امام حسینؑ کی نظر میں اگر کوفہ کی راہ اختیار نہ کرتے تو اسلام محفوظ نہ رہتا۔ وہ مٹ جاتا۔ کربلا کی لڑائی دولت اور حکومت کی لڑائی نہیں تھی، بلکہ قرآن اور اسلام کی لڑائی تھی۔ جو بیعت حسینؑ سے مانگی جا رہی تھی وہ بیعت خلافت کی نہیں تھی بلکہ قرآن اور اسلام کو مٹانے کی تھی۔ یزید یہ سمجھ رہا تھا کہ اگر حسینؑ مٹ گئے تو قرآن مٹ جائے گا اور اسلام فنا ہو جائے گا۔ وہ مسلمان بن کر اسلام کی جڑ کاٹنا چاہتا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا جیسی کہ اس کو تعلیم ملی تھی کہ اسلام محمدؐ کے گھر کی بنائی ہوئی کھچڑی ہے۔ اس لئے وہ اس دیگ کو الٹ دینا چاہتا تھا جس میں کھچڑی رکھی ہوئی تھی۔ وہ اس خانوادے کو مٹا دینا چاہتا تھا جو محمدؐ کے نام سے منسوب تھی۔ تاریخ کا مطالعہ اگر ہم غور سے کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اسلام کو فنا کرنے کی تمنا رکھنے والے اہل بیت رسول پر زور دے رہے تھے کہ وہ ان لوگوں کی خلافت تسلیم کر لیں جو رسول اور اسلام کے جانی دشمن تھے اور جنہوں نے رسول کو کاذب، ساحر، دیوانہ وغیرہ کہا تھا۔

مکہ کے حالات ایسے ناگفتہ بہ ہو گئے تھے کہ حضرت امام حسینؑ نے حج کو ترک فرما کر اسے عمرہ سے بدل ڈالا۔ ترک حج اور جلدی کی وجہ کی تھی کہ حاجیوں کے لباس میں یزیدی فوج کے سپاہی آئے ہوئے تھے جنہیں یہ ہدایت دی گئی تھی کہ حسینؑ جس حال میں بھی ہوں انہیں گرفتار کر کے بیعت لو اور اگر انکار کریں تو انہیں خانہ کعبہ میں ذبح کر دو۔ اس اطلاع کے بعد حضرت امام حسینؑ کے لئے مکہ میں رہنا

ناممکن ہو گیا تھا۔ حرمت کعبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ ۳ ذی الحجہ اور بعض روایات کے مطابق ۸ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو مکہ سے مع متعلقین کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ روایات کے مطابق 'صفاح' پر عرب کے مشہور شاعر فرزدق بن غالب سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آ رہے تھے۔ امام حسینؑ نے ان سے کوفہ کی حالت دریافت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اہل کوفہ کے دل آپ کی طرف ہیں مگر زبان خاموش ہے۔ وہ یزید سے ڈرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی تلواریں آپ کے خلاف چلیں۔ حضرت امام حسینؑ دوران سفر ہمیشہ حضرت یحییٰ بن زکریا کی شہادت کو یاد کرتے تھے جن کا سر قلم کر کے بنی اسرائیل کے زناکار کے سامنے بطور تحفہ بھیجا گیا تھا۔ جب آپ "ثعلبیہ" کے مقام پر پہنچے تو کوفہ کی طرف سے آنے والے مسافروں کے ذریعہ آپ کو مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر ملی۔ بلاشبہ حضرت امام حسینؑ کو اس رنجیدہ خبر کے ملنے پر بیحد افسوس ہوا۔ آپ بالکل خاموش ہو گئے۔ آپ کی زبان مبارک سے صرف انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا۔ حضرت امام حسینؑ ثعلبیہ سے نکل کر تھوڑی دور آگے بڑھے تھے کہ 'ذی خم' کے مقام پر حر بن یزید ریاحی کا لشکر ملا جس نے آپ کو گھیر لیا اور آپ کو کوفہ جانے سے روک دیا۔ اسی جگہ امام مظلوم نے محرم کا چاند دیکھا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ حر بن یزید نے امام حسینؑ سے راستہ بدلنے کی ضد کی۔ حر بن یزید ریاحی کی ضد پر امام مظلوم نے کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ حر بن یزید ریاحی کی ضد سے امام مظلوم سمجھ گئے کہ اب جو بھی حالات پیش آئیں گے وہ بد سے بدتر ہوں گے۔ لہٰذا آپ نے اپنے اصحاب کے سامنے ایک خطبہ ارشاد کیا جس میں حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا "بنی امیہ مجھ کو اعلانیہ سب و شتم سے یاد کرتے رہے لیکن میں نے ان کی حرکتوں پر صبر کیا۔ خدا کی قسم یہ فرقہ گمراہ مجھے قتل کرے گا۔ صورت حال جو پیش ہے وہ تم

کیوں رہے ہو۔ یقیناً دنیا کا رنگ بدل گیا ہے اور اس کی نیکی رخصت ہو چکی ہے۔ میرے نزدیک تو موت کی صورت میں شہادت کی نعمت ہے اور زندہ رہنا ان ظالموں کے درمیان وبال جان ہے۔ تم آزاد ہو تم جہاں چاہو چلے جاؤ" حضرت امام حسینؑ نے جیسے ہی تقریر ختم کی زہیر بن قین صحابی امام حسینؑ کھڑے ہو گئے اور بعد حمد وثنائے الٰہی کہا "اے فرزند رسولؐ! اللہ آپ کو مقصد حیات تک پہنچائے۔ ہم نے آپ کا ارشاد سنا۔ اگر یہ دنیا ہمیشہ قائم رہنے والی ہوتی اور ہمیں آپ کی نصرت میں قتل کر دیا جاتا تو بھی ہم آپ پر بخوشی جان دے دیتے۔ ہم آپ کا ساتھ دے کر قتل ہونا زیادہ پسند کرتے ہیں بہ نسبت اس دنیا میں رہنے کے۔ ہم موت کو زندگی سے زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔" زہیر بن قین کے بعد ایک دوسرے صحابی نافع بن ہلال جملی کھڑے ہوئے اور بعد حمد وثنائے الٰہی انہوں نے کہا "ہم آپ سے بیعت کر چکے ہیں۔ جو اس بیعت کو توڑے گا اور نیت کو خراب کرے گا وہ خود اپنا برا کرے گا۔ بسم اللہ چلیے ہم کو لے کر چاہے مشرق کی جانب، چاہے مغرب کی جانب، چاہے شمال کی جانب چاہے جنوب کی جانب۔ ہم ہر طرف آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہیں خواہ راستہ کتنا ہی دشوار کن کیوں نہ ہو۔ بخدا ہم خدا کے مقرر کردہ فیصلے سے خوفزدہ نہیں ہیں اور نہ اپنے رب کی ملاقات اور موت سے کراہت رکھتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ موالات رکھتے ہیں۔ ہم اسے دشمن سمجھتے ہیں جو آپ کا دشمن ہے۔" نافع بن ہلال جملی کے بعد بریر بن خضر ہمدانی کھڑے ہوئے اور بعد حمد وثنائے الٰہی کہا "خدا کی قسم اے فرزند رسولؐ! یہ خدا کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں موقع دیا آپ کی خدمت ونصرت کا۔ ہم آپ سے جدا ہو کر اور آپ کو مصائب میں ڈال کر ناری نہیں بننا چاہتے۔ ہم ناجی ہیں اور دوزخ کی آگ سے نجات چاہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہماری نصرت قبول نہ کی تو بروز حشر ہم

خدا کو اور اس کے رسول کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اے فرزند رسول! خدا کے واسطے ہمیں خود سے جدا نہ کیجئے۔'' اصحاب سے گفتگو کے بعد امام حسینؑ نے اپنے اصحاب واعزہ سے فرمایا کہ تم سب اپنی سواریوں پر سوار ہو جاؤ اور جس راستے سے ہم سب آئے ہیں اسی راستے ہم سب واپس ہو جائیں۔'' حضرت امام حسینؑ نے جب ارادہ پلٹنے کا کیا تو حر کے سپاہی سامنے آگئے۔ حضرت امام حسینؑ نے دریافت کیا تو حر نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔ اس پر امام نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر حر نے جواب دیا کہ پھر ہم آپ کو چھوڑ نہیں سکتے۔ بات بڑھ گئی لیکن حضرت امام حسینؑ نے حر سے لڑنا جھگڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ آخر آپ اس راستے پر روانہ ہو گئے جسے حر نے چنا تھا۔

حر نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ راستہ کوفہ جاتا تھا اور نہ مدینہ کو۔ قادسیہ اور عذیب کے راستے سے بائیں سمت دونوں چل دیے۔ جب 'بیضہ' کا مقام آیا تو حضرت امام حسینؑ نے بعد نماز عصر حر کی فوج کو مخاطب کر کے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور فرمایا کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی بادشاہ کو دیکھے کہ وہ ظلم و جور کرتا ہے اور محرمات الہیہ کو حلال بنائے ہوئے ہے اور خدائی عہد و پیمان کو توڑتا ہے اور سنت رسول کی مخالفت کرتا ہے، اگر وہ اس کی حرکتوں پر خاموش رہے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہ کرے تو وہ اپنے بادشاہ کے ساتھ ساتھ عذاب کا مستحق ہوگا۔ تم جانتے ہو اچھی طرح کہ بنی امیہ نے اطاعت شیطان کو اپنا راستہ بنالیا ہے۔ اس نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے لیا ہے۔ اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو تم بھی عذاب کے مستحق ہو گے''۔ لیکن یزیدی لشکر پر امام حسینؑ کی عبرت انگیز تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت امام حسینؑ ذی خم سے نکل کر جب 'نینوا' کی زمین پر پہنچے تو یکا یک ایک شخص

نہایت تیزی سے کوفہ کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس شخص نے امام حسینؑ کی طرف کوئی توجہ نہ دی یہاں تک کہ آپ کو سلام بھی نہیں کیا۔ اس شخص نے نہایت ادب کے ساتھ حر کو سلام کیا اور کمر سے ابن زیاد کا خط نکال کر اس کے حوالے کیا۔ حر نے اس خط کو بآواز بلند پڑھا کہ دونوں طرف کے لشکر والے سن لیں۔ خط میں لکھا تھا کہ جس وقت میرا یہ خط تمہیں ملے تم حسینؑ کو قید کر لو اور انہیں ایسے چٹیل میدان میں لے جاؤ جہاں پانی بھی نہ ملے۔ یاد رکھو کہ میرا قاصد تمہارے پیچھے پیچھے ہے۔ یہ اس وقت تک تمہارے پیچھے رہے گا جب تک تم میرے حکم کی تعمیل نہ کر لو گے۔ لیکن حر نے کوئی مدافعت نہیں کی۔ اور امام مظلوم کا کارواں آگے بڑھتا رہا۔ ۲ محرم بروز پنج شنبہ (جمعرات) امام مظلوم کی سواری کا گھوڑا چلتے چلتے یکا یک ایک مقام پر رک گیا۔ ہر چند امام مظلوم نے اپنے رہوار کو آگے بڑھانے کی کوشش کی مگر اس کا قدم آگے نہیں بڑھا۔ آپ نے متعدد سواریاں بھی بدلیں مگر کسی نے بھی اپنے مقام سے جنبش نہ کی۔ آخر کار امام مظلوم نے مقامی لوگوں سے اس جگہ کا نام پوچھا۔ کسی نے کچھ تو کسی نے کچھ جواب دیا۔ ایک شخص نے کہا کہ اس زمین کو کربلا بھی کہتے ہیں۔ کربلا کا نام سنتے ہی امام حسینؑ اپنے رہوار سے اتر آئے اور ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم یہی وہ زمین ہے جہاں ہمارے مردوں کے خون بہائے جائیں گے اور ہماری عورتیں اسیر ہوں گی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ہماری قبریں بنیں گی۔ اور جہاں سے ہم قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ صواعق محرقہ میں ابن حجر نے اور ضیاالعین فی مقتل الحسین میں تحریر کیا ہے کہ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ نے اپنی جیب سے اس خاک کو نکالا جسے جبرئیل امین نے امام کی پیدائش کے موقع پر آپ کے جد جناب رسول اللہؐ کو عطا کی تھی اور پھر ایک مشت خاک کربلا کی اٹھائی۔ دونوں کے رنگ کو ملایا اور پھر دونوں کی بو کو سونگھا

ور فرمایا۔"دونوں کا رنگ ایک ہے، دونوں کی خشبو ایک ہے۔ یہی وہ مٹی ہے جسے جبرئیل امین خدا کی جانب سے میرے جد امجد جناب رسول اللہؐ کے پاس لائے تھے۔ اسی جگہ میرے گلے کی شہ رگ کاٹی جائے گی اور داڑھی خون سے تر کی جائے گی۔

تاریخ طبری کے مصنف محمد بن جریر بیان کرتے ہیں کہ جب امام مظلوم کا کارواں کربلا میں فرات کے کنارے خیمہ نصب کرنے لگا تو حر نے مداخلت کی اور امام مظلوم سے کہا کہ آپ یہاں پر قیام نہیں کر سکتے۔ مجھے ابن زیاد کی طرف سے حکم ملا ہے کہ میں آپ کو ایسی جگہ اترنے نہ دوں جہاں آبادی ہو اور پانی ہو۔ ابن زیاد کا ایلچی تعمیل حکم کی نگرانی کے لئے ساتھ ساتھ ہے۔ جب حر بن یزید ریاحی نے امام مظلوم پر زیادہ زور ڈالا تو امام مظلوم کے احباب حر سے ناراض ہو گئے۔ انہوں نے امام مظلوم کو مشورہ دیا کہ اس وقت ان لوگوں سے جنگ آسان ہے اس لئے ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ ورنہ فوجیں آنے والی ہیں ان کا مقابلہ سخت دشوار ہوگا۔ مگر امام مظلوم اس بات پر راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ میں اپنی طرف سے جنگ نہ کروں گا۔ حر امام مظلوم کا جواب سن کر خاموش ہو گئے۔ پھر کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اگر آپ حملہ کریں گے تو بھی یا آپ پر حملہ ہوگا تو بھی آپ ضرور قتل کر دیئے جائیں گے۔ امام مظلوم نے فرمایا کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ اور کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تم مجھ کو قتل کرو گے؟ میں نہیں جانتا کہ میں تمہیں کیا کہوں؟ لیکن میں وہی کہوں گا جو بنی اوس میں سے ایک صحابی رسول نے اپنے عم سے کہا تھا جس نے رسول اللہ کی اعانت سے منع کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ مجھے موت سے ڈراتے ہیں۔ میں عنقریب اپنے مقصد کو پورا کروں گا۔ موت جواں مرد کے لئے باعث ننگ و عار نہیں ہے جب کہ اس کی نیت نیک ہو اور مسلمان رہ کر جہاد کرے اور اپنی جان سے

صالحین بندوں کی مدد کرے اور ہلاک ہونے والے کی مخالفت کرے اور جرم سے علیحدہ رہے۔ اگر میں زندہ رہا تو مجھے کچھ ندامت نہ ہوگی اور اگر مر گیا تو کوئی صدمہ نہ ہوگا۔ لیکن تجھے یہی کافی ہے کہ تو ذلت و رسوائی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا۔ حرُ امام مظلوم کی زبانی اوس صحابیِ رسول کا واقعہ سن کر خاموش ہو جاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

کوفہ کے عامل ابن زیاد کو جب حضرت امام حسینؑ کے نزول کربلا کی اطلاع ملی تو اس نے قتل حسینؑ کے لیے کوفہ میں منادی کرا دی کہ جو شخص حسینؑ کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو میں دس برس کے لئے ملک 'رے' دے دوں گا۔ اس منادی کے بعد اس نے صحابیِ رسول سعد بن وقاص کے بیٹے عمرو بن سعد جو حمام یمن میں دیلمیوں کی سرکوبی کے لئے مامور کیا گیا تھا، اسے چار ہزار فوج دے کر حضرت امام حسینؑ کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ عمرو بن سعد پہلے تو تیار نہیں ہوا۔ لیکن بعد میں رے کی حکمرانی کی خاطر تیار ہو گیا۔ اور کوفے آکر لوگوں کو حضرت امام حسینؑ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بھڑکانے لگا۔ وہ ابن زیاد کے حکم پر کربلا کے لئے روانہ ہو گیا۔ ۳ محرم ۶۱ ہجری کو عمرو بن سعد چار ہزار فوجیوں کے ساتھ کربلا پہنچا۔ کربلا پہنچ کر اس نے کثیر بن عبداللہ شعبی کو حضرت امام حسینؑ کے پاس بھیجا کہ پوچھے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ کثیر بن عبداللہ نے کہا کہ اگر آپ کہیں تو خدا کی قسم اچانک ایک وار میں ان کا کام تمام کر دوں۔ ابن سعد نے کہا کہ نہیں تم اس وقت صرف آنے کا سبب پوچھو۔ کثیر بن عبداللہ شعبی امام کے کے خیمے کے قریب پہنچا تھا کہ اسے صحابیِ امام حسینؑ ابو ثمامہ صائدی نے آتے دیکھ لیا۔ ابو ثمامہ صائدی نے کثیر سے کہا کہ تلوار ایک طرف رکھ کر امام سے ملاقات کرو، مگر وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوا۔ آخر کار اسے بغیر پیغام

پہنچاۓ واپس جانا پڑا۔اس کے بعد ابن سعد نے قرۃ بن قیس حنظلی کو بھیجا۔قرۃ بن قیس حنظلی امام مظلوم کے پاس آیا اور ابن سعد کا پیغام پہنچایا۔امام نے جواب دیا کہ تمہارے شہر کوفہ کے لوگوں نے مجھے خط لکھ کر بلایا ہے۔اب اگر میرا آنا انہیں ناپسند ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔قرۃ بن قیس نے ابن سعد کو امام مظلوم کا جواب سنا دیا۔ ابن سعد نے امام مظلوم کا جواب ابن زیاد کو لکھ کر بھیج دیا۔ابن زیاد نے جواب میں کہا کہ حسین اب جب ہمارے چنگل میں آ چکے ہیں تو نکلنا چاہتے ہیں۔اب کوئی جاۓ فرار نہیں۔۔تم حسین سے کہو کہ وہ یزید سے بیعت کریں۔اگر وہ بیعت کریں گے تو ہم سوچیں گے۔اگر حسین بیعت کے لئے راضی نہ ہوں تو ان کے اور دریاۓ فرات کے بیچ حائل ہو جاؤ اور ان پر پانی بند کر دو تاکہ وہ ایک قطرہ اس سے پانی نہ لے سکیں۔عمرو بن سعد نے ابن زیاد کے حکم کی تعمیل میں عمرو بن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ایک لشکر پر افسر مقرر کر کے نہر فرات پر بٹھا دیا۔یہ محرم کی ساتویں تاریخ تھی۔امام مظلوم نے عمر بن قرظہ بن کعب انصاری کے ذریعہ ابن سعد کو پیغام بھیجا کہ میں آج رات اپنے اور تمہارے لشکر کے درمیان تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ابن سعد امام مظلوم کی بات مان کر رات کے وقت بیس سوار ساتھ لے کر آیا۔امام مظلوم بھی بیس سواروں کے ساتھ تشریف لاۓ۔امام مظلوم نے اپنے رفقاء کو ایک طرف کر دیا۔ابن سعد نے بھی اپنے ساتھیوں کو علیحدہ کر دیا۔دونوں کے درمیان کافی دیر تک تنہائی میں گفتگو ہوئی۔پھر دونوں اپنے اپنے لشکر کی طرف واپس چلے گئے۔روایت ہے کہ امام حسینؑ نے ابن سعد کے سامنے تین باتیں پیش کیں کہ ان میں سے کسی ایک کو مان لو۔پہلی بات یہ کہ مجھے وہیں واپس چلے جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں۔دوسری بات یہ کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو کہ میں اپنا معاملہ اس سے طے کر لوں۔تیسری بات یہ کہ اگر تمہیں مجھ

سے ڈر وخوف ہے تو مجھے مملکت اسلامیہ کے کسی بھی سرحدی مقام پر لے چلو میں ان سرحدی لوگوں میں رہ کر وقت گزار لوں گا۔

حضرت امام حسینؑ اپنے دامن پر خوں ریزی کا داغ لینا نہیں چاہتے تھے۔آپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ صلح ہو جائے اور مسلمان خوں ریزی سے بچ جائیں مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ابن سعد نے ابن زیاد کو امام حسینؑ کی پیشکش سے آگاہ کیا اور یہ لکھا کہ اب مخاصمت کی کوئی ضرورت نہیں۔اب اس معاملہ کو ختم ہونا چاہئے۔مگر ابن زیاد نے اسے منظور نہیں کیا۔اس نے کہا کہ بھلا ایسا نایاب موقع ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے۔حسینؑ اگر چلے گئے تو پھر قوت وعزت ان ہی کا حق ہوگا۔حسینؑ غیر مشروط طریقے پر خود کو ہمارے حوالے کردیں،پھر ہم سوچیں گے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔انہیں ان کے جرم کی سزا میں قتل کر دیا جائے یا معاف کر دیا جائے۔اس کے بعد اس نے ایک خط اور لکھا جسے اس نے شمر بن ذی الجوشن کی معرفت روانہ کیا کہ تمہیں اس لئے نہیں بھیجا گیا ہے کہ تم حسینؑ کے ساتھ مراعات کرو اور ان کی سفارش کرو۔ابن زیاد جانتا تھا کہ ابن سعد گرچہ دنیاوی جاہ وحشم کی لالچ میں جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا ہے ورنہ وہ دلی طور سے اس کام کو انجام دینا نہیں چاہتا۔اسے اندیشہ ہوا کہ دوران جنگ کہیں وہ امام حسینؑ کی شخصیت سے متاثر ہو کر پلٹ نہ جائے۔لہذا اس نے اسے غیرت دلائی کہ اگر حسینؑ تمہاری گرفت سے نکل گئے تو یہ تمہارے لئے غیرت کی بات ہوگی۔ساتھ ہی اس نے ابن سعد کی ہمت افزائی کے لئے اسے لالچ دی کہ اگر تم نے عین حکم کے مطابق عمل کیا تو تمہیں وہ جزا ملے گی جو ایک مطیع وفرماں بردار کو ملتی ہے۔اس نے لکھا کہ اگر حسینؑ اور ان کے اصحاب میرے حکم کے سامنے سرتسلیم خم کریں تو بہتر ورنہ انہیں قتل کردو۔ان کے اعضاء وجوارح کو قطع کردو کیونکہ وہ

اسی کے مستحق ہیں۔ اگر تم نے میرا حکم مانا تو تمہیں انعام واکرام سے نوازا جائے گا اور اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو پھر لشکر کی سرداری سے الگ ہو جاؤ اور اس منصب کو شمر کے سپرد کر دو۔

شمر بن ذی الجوشن، ابن زیاد کا خط لے کر ۹ محرم بعد عصر کربلا پہنچا۔ کربلا پہنچ کر اس نے عمر سعد کو ابن زیاد کا خط دیا۔ عمر سعد نے ابن زیاد کا خط لے کر پڑھا اور کہا کہ حسینؑ کبھی بھی خود کو ابن زیاد کے رحم وکرم پر چھوڑنا پسند نہیں کریں گے۔ شمر بن ذی الجوشن نے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑ اور بتا کہ اب تیرا ارادہ کیا ہے۔ اپنے امیر کے حکم پر عمل کرے گا یا سرداری کو میرے سپرد کرے گا۔ عمر سعد وقتی جاہ وحشمت کے جال میں پھنس کر حضرت امام حسینؑ کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ وہ اپنے خیمے سے نکل کر لشکر کے سامنے آیا اور ندا دی کہ یزیدی سپاہیو دشمن پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ابھی اور اسی وقت حملہ ہوگا۔ یزیدی لشکر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ عمر بن سعد شمر ذی الجوشن کو خوش کرنے کے لئے امام مظلوم کی جانب تیر چلایا اور باآواز بلند چیخا کہ لوگو! گواہ رہنا کہ حسینؑ کی طرف پہلا تیر چلانے والا میں ہوں۔ حضرت امام حسینؑ کو جب لشکر یزید کی حرکت کی خبر ملی تو آپ نے عمر سعد سے ایک رات کی مہلت مانگی کہ ایک رات کی مہلت دے دے کہ اس آخری رات میں ہم اچھی طرح خدا کی عبادت کر لیں۔ لیکن عمر سعد اس کے لئے تیار نہیں ہوا۔ اس نے اپنے فوجی افسران سے رائے طلب کی۔ اکثریت کی رائے یہ ہوئی کہ ایک رات کی مہلت مانگی ہے تو اتنی مراعات تو ہونی ہی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ حسینؑ صلاح ومشورہ کے بعد صبح تک صلح کر لیں۔ آخر کار مہلت کا مسئلہ طے پایا کہ اگر حسینؑ نے کل ہتھیار ڈال دیے تو انہیں ابن زیاد کے پاس بھیج دیا جائے گا اور اگر انکار کیا تو پھر جنگ یقینی ہوگی۔

ایک شب کی مہلت حاصل کرنے کے بعد امام مظلوم نے اپنے ہمراہیوں کو جمع کیا۔ امام مظلوم نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے ہمراہی آپ کی نصرت اور حمایت میں اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے مجبور کیے جائیں۔ آپ جانتے تھے کہ اب معاملہ ختم ہو چکا ہے اور تمام امیدیں منقطع ہو چکی ہیں۔ جب سب جمع ہو گئے تو امام مظلوم نے ارشاد فرمایا:

"اثنیٰ علی اللہ تبارک و تعالیٰ احسن الثناء و احمدہ علی السراء والضراء اللھم انی احمدک علی ان اکرمتنا بالنبوۃ و جعلت لنا اسماعا و ابصارا و افئدۃ فاجعلنا من الشاکرین اما بعد فانی لا اعلم اصحابا اوفی و الآخران اصحابی ولا اھل بیت ابرولا اوصل من اھل بیتی فجزا کم اللہ جمیعا عنی خیرا الا و انی لاظن یومنا من ھو لاء الا عداء غدا وانی قد اذنت لکم جمیعا فانطلقوا فی حل لیس علیکم منی ذمام ھذ اللیل قد غشیکم فاتخذوہ جملا ولیا خذ کل رجل منکم بیدرجل من اھل بیتی فجزاکم اللہ جمیعا ثم تفرقوا فی البلاد فی سواد کم و مد ائنکم حتی یفرج اللہ فان القوم یطبلوا فی ولو اصابونی لھواعن طلب غیری"

(ترجمہ) اللہ کی تعریف کرتا ہوں خوشی و مسرت اور تنگی و تکلیف میں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بہترین حمد و ثنا کرتا ہوں۔ اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں تیرا شکر بجالاتا ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت کے ساتھ مکرم کیا اور سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں اور دل دیا اور ہمیں قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی اور ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں سے کیا۔ اما بعد! میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور بہتر

نہیں سمجھتا اور نہ کسی اہل بیت کو اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والا دیکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ سن لو! میں یقین رکھتا ہوں کہ ہمارا دن ان دشمنوں سے (مقابلہ) کل کا دن ہے اور میں تم سب کو بہ خوشی اجازت دیتا ہوں کہ رات کی تاریکی میں چلے جاؤ۔ میری طرف سے کوئی ملامت نہ ہوگی۔ ایک ایک اونٹ لے لو اور تمہارا ایک ایک آدمی میرے اہل بیت میں سے ایک ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کے اپنے ساتھ لے لے۔ اللہ تم سب کو جزائے خیر دے پھر تم اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں متفرق ہو جانا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یہ مصیبت آسان کر دے۔ بلاشبہ یہ لوگ میرے ہی قتل کے طالب ہیں اور جب مجھے قتل کر لیں گے تو پھر کسی اور کی ان کو طلب نہ ہوگی۔

امام مظلوم کا خطبہ سنتے ہی آپ کے ہمراہیوں کے رگ و پے میں سچائی، خلوص اور وفاداری کا جوش پیدا ہو گیا۔ وہ سب سچی محبت اور مکمل ایمان کی تصویر بن کر بت کی طرح سامنے کھڑے ہو گئے اور یک زبان ہو کر عرض کیا کہ خدا ہم کو وہ دن کبھی نہ دکھائے کہ ہم آپ کی نصرت سے ہاتھ اٹھا لیں۔ حضرت امام حسینؑ نے جب دیکھا کہ ہمارے رفقاء واعزہ نہیں جاتے تو آپ نے چراغ گل کر دیا اور فرمایا کہ ''اگر تمہیں روشنی میں جانے میں تردد محسوس ہوتا ہے تو لو میں چراغ بجھا دیتا ہوں۔ رات کے اندھیرے میں تمہیں کوئی نہیں دیکھے گا کہ تم کدھر گئے''۔ امام مظلوم خاموش ہو گئے اور بے ثباتی دنیا کے متعلق اشعار پڑھا۔ کچھ وقفہ گزر جانے کے بعد آپ نے دوبارہ چراغ جلایا۔ دیکھتے ہیں کہ سب سامنے کھڑے ہیں اور سب کی آنکھیں اشک بار ہیں۔ آپ نے فرزندان عقیل سے فرمایا کہ مسلم کی شہادت تمہارے لئے کافی ہے۔ لہذا تمہیں اجازت دیتا ہوں تم چلے جاؤ پھر محمد بن بشر حضرمی سے فرمایا کہ تمہارا بیٹا مملکت رے کی

سرحد میں گرفتار ہو گیا ہے اور وہاں کوئی آدمی اس کے قبیلے کا ایسا نہیں جو اس کی دیت دے کر اس کی نجات کی کوئی تدبیر کرے۔ تم جاؤ اور اپنے بیٹے کو چھڑا لو۔ پھر مسلم بن عوسجہ اسدی سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ تم سن رسیدہ ہو ضعیف العمر ہو۔ تم چلے جاؤ اور میرے اہل وعیال کو بھی لیتے جاؤ حضرت امام حسینؑ کی شفیقانہ گزارش پر مسلم بن عوسجہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ ان کی آنکھیں جو پہلے ہی سے رو رہی تھیں اور بھی رونے لگیں۔ آپ نے امام عالی مقام سے عرض کیا اے فرزند رسول کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنا ہاتھ آپ کی نصرت ورفاقت سے اٹھا لوں! اگر میں نے ایسا کیا تو آپ کے ادائے حق کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ کے دشمنوں کے سینوں کو اپنے نیزوں کا شکار نہ بنا لوں۔ ان کے جسم کو اپنی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر ڈالوں۔ جب تک میرا ہاتھ تلوار کے قبضے پر رہے گا میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ اگر میرے پاس ہتھیار نہیں بھی ہوگا تو بھی میں ان سے پتھر مار مار کر لڑتا رہوں گا۔ میں اس وقت تک ان سے لڑتا رہوں گا جب تک میرے دم میں دم رہے گا۔ مسلم بن عوسجہ کے بعد سعد بن عبداللہ حنفی امام سے مخاطب ہوئے اور کہا، خدا کی قسم ہم اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے جب تک اللہ تعالیٰ یہ دیکھ نہ لے کہ ہم نے اس کے حبیب رسول کے بعد ان کی آل و اولاد کی کیسی حفاظت کی۔ خدا کی قسم اگر ہم کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہم ستر مرتبہ اسی طرح قتل کئے جائیں گے اور ہر مرتبہ زندہ جلا دیے جائیں گے اور ہماری خاکستر اڑا دی جائے گی تو بھی ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ تو صرف ایک ہی دفعہ قتل ہونا ہے۔ اس قتل میں ابدی شرف ہے پھر اسے کیوں نہ حاصل کروں۔ سعد بن عبداللہ کے بعد زہیر بن قین نے کہا خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا

جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ اسی طرح ہزار مرتبہ زندہ کیا جاؤں اور قتل کیا جاؤں اور میرے ہزار مرتبہ کے قتل سے خدا آپ کی ذات اور آپ کے اہل بیت کو بچا لے۔ مجھے تمام مصائب قبول ہیں اگر اس کے عوض آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے سر سے آئی ہوئی یہ بلائل جائے۔ محمد بن بشر حضرمی نے کہا یا مولا اگر میرا بیٹا اسیر ہو گیا ہے تو کیا ہوا۔ میں بھی اب خود اس کے بعد زندہ نہ رہوں گا جو اس کی ذلت وخواری دیکھوں یا اس کے لئے مطعون کیا جاؤں۔ میں ایسے وقت میں اس کی نصرت کو امام کی نصرت پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر میں آپ کو چھوڑ دوں تو مجھے درندے جانور پھاڑ ڈالیں۔

رفقاء اور اعزہ کے سچے اعتقاد اور خالص جاں نثاری سے متاثر ہو کر امام مظلوم نے سبھوں کو دعائے خیر سے نوازا۔ رفقاء اور اعزہ امام مظلوم سے رخصت ہو کر اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ ایک رات کی مہلت کو غنیمت جان کر سبھی ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ سبھوں کی زبان پر بس ایک ہی صدا ہے کہ پروردگار میں سر بہ سجود ہو گیا۔ یہ میری زندگی اور تیری بندگی کی آخری رات ہے۔ صبح جو ہونے والی ہے اس سے تو اچھی طرح واقف ہے۔ میری بس تجھ سے یہ التجا ہے کہ اس امتحان میں ثابت قدم رہوں اور تیری حمد وثنا کرتا ہوا سب سے پہلے اپنی گردن کٹوا دوں۔ اے رب العالمین! مجھے صبر وسکون کی توفیق عطا فرما کہ اس حق وباطل کے خونیں معرکے میں حوصلہ نہ ہاروں۔ اہل وعیال کی محبت تیرے راستے میں حائل نہ ہو اور خوشی خوشی راہ خدا میں بچوں کی قربانی دوں۔

شب عاشور کا مدھم اور بے رونق چاند آہستہ آہستہ اپنی منزلیں طے کرتا ہوا جب مغرب میں غروب ہوا تو سپیدی سحر نمودار ہوئی۔ امام مظلوم نے میدان کربلا میں صبح کی اذان کے لئے اپنے فرزند دلبند علی اکبر کو آواز دی۔ کربلا کے میدان میں شہزادہ

علی اکبر کی صدائے توحید و رسالت بلند ہوئی۔ جاں نثاران امام حسینؑ نے امام برحق کے پیچھے نماز فجر ادا کی۔ نماز کے بعد امام مظلوم نے ایک بار پھر اپنے ساتھیوں سے خطاب کیا۔ ''آپ لوگوں نے جس خلوص اور عقیدت سے اس وقت تک میرا ساتھ دیا ہے میں اس کا شکرگزار ہوں۔ مگر میں پھر آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ مجھے اللہ کے آسرے پر چھوڑ کر چلے جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ لوگ موت کے منہ میں جائیں اور آپ کی بیویاں بیوہ ہوں اور آپ کے بچے یتیم ہوں۔'' امام مظلوم کا خطبہ سن کر ایک بار پھر اصحاب حسینؑ متفقہ طور پر جواب دیتے ہیں ''مولا! ہم بھی مسلمان ہیں اور ہم بھی آپ کے نانا کی شفاعت کے امیدوار ہیں۔ ہم بھی ایک فاسق وفاجر کی بیعت نہیں کریں گے۔ ہمیں بھی اسلام کی عزت، دین کی آبرو اور حق وہدایت کے پرچم کو بلند رکھنے کے لئے اپنی قربانی پیش کرنے کی اجازت دیں۔'' امام مظلوم نماز ادا کرنے کے بعد میدان کربلا میں آئے، آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی پھر چاروں طرف کا جائزہ لیا اور اپنے احباب واعزہ کو ضروری ہدایات دیں۔ امام مظلوم کی ہدایت پر خیمے ایک دوسرے کے قریب کر دیئے گئے اور ان کی طنابیں ایک دوسرے میں داخل کر دی گئیں۔ خیموں کی پشت پر ایک خندق کھودی گئی اور اس میں لکڑیاں جمع کر کے آگ جلا دی گئی تاکہ بوقت جنگ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

فوج یزید میدان جنگ میں صف آرا ہوئی۔ آگے آگے عمر سعد کا غلام درید ہاتھ میں یزیدی پرچم لئے کھڑا ہے۔ میمنہ پر عمرو بن حجاج زبیدی، میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن مقرر کیا۔ سواروں کا سردار عزرہ بن قیس احمسی اور پیادوں کا افسر شیث بن ربعی بنایا گیا۔ ناسخ التواریخ میں ہے کہ جنگ شروع ہونے سے قبل بریر ابن خضیر ہمدانی آگے بڑھ کر امام مظلوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا ''مولا! اگر اجازت

ہو تو اشقیا کو وعظ و نصیحت کرلوں کیونکہ میں کوفہ کا باشندہ ہوں۔ سن رسیدہ، عبادت گزار اور حافظ قرآن ہوں۔ میں مسجد کوفہ میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتا تھا۔ لوگ مجھے سید القرآن (حافظ قرآن کا سردار) کہتے ہیں۔ میرے وعظ و پند سے ممکن ہے اشقیاء اپنے ارادوں سے باز آجائیں۔" ارشاد ہوا "جاؤ"۔ بریر آگے بڑھے اور یزیدی لشکر سے مخاطب ہو کر باآواز بلند فرمایا "اے گروہ مردم! خدائے تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمہاری طرف عہدہ رسالت پر فائز فرما کر بھیجا کہ تم کو اعمال حسنہ کے صلہ میں بہشت عنبر سرشت کی بشارت پہنچائیں اور تمہارے اعمال قبیحہ کی پاداش میں صعوبات جہنم سے ڈرائیں۔ وہ حضرت مثل آفتاب عالم تاب کے چمکنے والے اور خدائے تعالیٰ کی طرف اسی کے حکم سے بلانے والے ہیں۔ دیکھو! یہ آب فرات ہے جس سے کتے اور سور تک سیراب ہو رہے ہیں۔ مگر اہل بیت رسول کو ایک قطرہ بھی میسر نہیں۔ تم نے اہل بیت رسول پر پانی بند کر رکھا ہے۔ ان کے بچے پیاس کی شدت سے بے قرار و بے چین ہیں۔ یہ مقام غیرت ہے۔ غیرت کرو اور فرات کے کنارے سے ہٹ جاؤ اور اپنے اعمال بد سے باز آجاؤ" لیکن بریر کے وعظ و پند کا یزیدی لشکر پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر کار وہ مایوس ہو کر واپس لوٹ آئے۔

بریر بن خضیر کی واپسی کے بعد زہیر بن قین امام مظلوم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں "مولا! مجھے اجازت دیجئے۔ آپ سے باریابی حاصل کرنے سے قبل میں عثمانی شیعہ تھا۔ میں عثمان کا طرفدار تھا اور آپ کے والد کی مخالفت کرتا تھا۔ لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ میں انہیں سمجھاؤں گا اور حقیقت ان کے سامنے رکھوں گا۔ میرے سمجھانے سے شاید وہ شرمندہ ہوں اور اپنے ناپاک ارادوں سے باز آجائیں"۔ امام مظلوم سے اجازت لے کر زہیر بن قین گھوڑے پر سوار سر سے پاؤں تک

لوہے میں غرق یزیدی لشکر کے سامنے آتے ہیں اور فرماتے ہیں "کوفہ والو! خدا کے عذاب سے ڈرو۔ایک مسلمان بھائی ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں اور تم سے خیر خواہانہ نصیحت کروں۔ ہم آپس میں بھائی بھائی اس وقت تک ہیں جب تک ہمارے درمیان تلوار نہیں چلتی ۔ جب تک ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار نہیں چلتی ہے اس وقت تک ہم میں اور تم میں رشتہ اخوت قائم ہے اور تم بھی ہماری طرف سے نصیحت کے مستحق ہو۔ بیشک جب تلوار چلنے لگے گی تو یہ رشتہ اخوت خود بخود ٹوٹ جائے گا اور ہم علیحدہ علیحدہ ملتوں کے تابع قرار پا جائیں گے۔ یقیناً اللہ ہمیں اور تمہیں آزما رہا ہے اپنے نبی محمد مصطفےٰ کی اولاد کے ذریعہ تا کہ وہ دیکھے کہ ہم اس کے محبوب نبی کی آل واولاد کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور کیسا سلوک کرتے ہیں۔ میں تم سب کو دعوت دیتا ہوں کہ ان کی مدد کرو اور عبید اللہ بن زیاد کا ساتھ چھوڑ دو۔ یزید اور ابن زیاد سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ یہ لوگ فریبی ہیں۔ وعدہ کر کے مکر جائیں گے۔ تمہیں ان کے پاس سوائے برائی کے کچھ نہ ملے گا"۔ یزیدی لشکر یزید اور ابن زیاد کی برائیاں سن کر برانگیختہ ہو گیا۔ یزید اور ابن زیاد کے ہوا خواہ اور خوشامدی زہیر کی مذمت کرنے لگے اور یزید اور ابن زیاد کی مدح سرائی کرنے لگے۔ زہیر بن قین اشقیاء کا رویہ دیکھ کر واپس لوٹ آئے۔

زہیر بن قین کے واپس آنے کے بعد امام مظلوم خود اونٹ پر سوار ہو کر یزیدی لشکر کے سامنے آئے۔ امام مظلوم نے چاہا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے یزیدی لشکر کو سمجھا دیا جائے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس کے مخالف صف آراء ہیں تا کہ یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ ہمیں حقیقت معلوم نہیں تھی۔ آپ لشکر اعدا کے سامنے آئے اور فرمایا: "یا ایھا الناس ! میری بات سنو۔ میرے قتل میں جلدی نہ کرو تا کہ میں تمہیں

اصلیت سے آگاہ کردوں۔ اور اپنے یہاں آنے کے عذرات تم سے بیان کردوں۔ سنو اور غور سے سنو! جو کچھ تم میرے ساتھ کر رہے ہو اسے جان لو۔ تم جس کے خون کے پیاسے ہو وہ کون ہے اور اس کی شان کیا ہے؟ میرے حسب ونسب کو یاد کرو۔ میں اس رسول کا نواسہ ہوں جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔ میں اس باپ کا بیٹا ہوں جو تمہارے خلیفہ اور امام تھے۔ میرے باپ وہ تھے جو سب سے پہلے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میرے باپ وہ تھے جو ہر مشکل کے وقت رسول کے کام آئے۔ میں اس ماں کا فرزند ہوں جس کے دروازے پر فرشتے اجازت لے کر داخل ہوتے تھے۔ میری ماں خاتون جنت ہیں۔ میرا خاندان خاندان نبوت ہے۔ میرا گھرانہ نورانی اور پاک ہے۔ میں امام الانبیاء کے دوش پر سوار ہونے والا حسین ہوں۔ میں محبوب خدا کی زلفوں سے کھیلنے والا حسین ہوں۔ یہ عمامہ جو میرے سر پر ہے وہ رسول خدا کا ہے۔ میرا کوئی قصور ہے تو بتاؤ۔ میرا کوئی جرم ہے تو بتاؤ۔ میرا کوئی گناہ ہے تو بتاؤ میں خود نہیں آیا تمہارے بلانے پر آیا ہوں۔ تمہارے سینکڑوں خط میرے پاس موجود ہیں جن میں تم نے اپنی بے چینی اور لادینی کا ذکر کیا ہے کہ ہمیں آکر ہدایت دیں۔ ہمیں بچی راہ اسلام کی بتائیں۔ ہمارے دین وایمان کو بچائیں۔ ہمیں یزید اور بنی امیہ کے ظالموں سے نجات دلائیں۔ اے شیث بن ربعی! اے حجار! اے قیس بن اشعث! اے یزید بن حارث کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ آیئے اور ہمیں کفر سے نجات دلایئے۔ لوگو! اگر تم نے میرے عذر کو قبول نہ کیا اور طریق انصاف اختیار نہ کیا تو تم اپنے کام کے ذمہ دار خود ہو گے''۔ یزیدی لشکر خاموشی سے امام مظلوم کی تقریر سنتا رہا۔ امام مظلوم کے عذر کے باوجود افواج یزید کے ارادوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ جنگ پر آمادہ رہے۔ لیکن ان میں سے کچھ ایسی بھی سعید روحوں کے مالک تھے جن کے دل پر امام مظلوم

کی تقریر کا اثر ہوا۔ ان کے دل امام مظلوم کی مظلومیت کو دیکھ کر پگھل گئے۔ ان کے دل میں بے چینی پیدا ہونے لگی۔ ابن سعد جو پورے ماحول پر نظر رکھے ہوئے تھا چند نفوس کی بے چینی دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ کہیں ساری فوج امام کی تقریر سے متاثر ہو کر پلٹ نہ جائے۔ اس نے تقریر قطع کرنے کے مقصد سے امام کی جانب تیر چھوڑا اور چیخ کر بولا کہ لوگو! یاد رکھنا کہ میں نے پہلا تیر چھوڑا ہے۔ ابن سعد کے تیر چھوڑتے ہی سینکڑوں اور ہزاروں تیر امام کی جانب چھوٹ پڑے کہ امام کو اپنی تقریر بیچ میں قطع کر کے واپس لوٹنا پڑا۔ امام مظلوم پر تیروں کی بارش دیکھ کر حر بن یزید ریاحی کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ وہ ابن سعد کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا واقعی تم ان سے جنگ کرو گے؟ جواب میں عمر سعد نے کہا ہاں۔ عمر سعد کے جواب کے بعد حر اپنے خیمے میں آگئے۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر حسینی خیمے کی طرف بڑھ گئے۔ حر کی جرأت و ہمت دیکھ کر دوسرے ایمان افروز بھی موقع دیکھ کر خفیہ طریقے سے امام مظلوم کی طرف چلے آئے۔ ان ایمان افروز مجاہدین میں جابر بن حجاج تیمی، جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی، حارث بن امراء القیس بن عابس کندی، حلاس بن عمرو ازدی، نعمان بن عمرو ازدی، زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی، ضرغامہ بن مالک تغلبی، مسعود بن حجاج تیمی، عبدالرحمن بن مسعود، عبداللہ بن بشر خثعمی، عمرو بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ، قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی، بکر بن حیّ تیمی تھے۔ ان لوگوں نے امام مظلوم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اپنی جانیں اسلام پر نثار کرنے کی اجازت طلب کی۔

دوپہر چڑھتے چڑھتے میدان کارزار گرم ہو گیا۔ جانبین سے متصل حملے ہونے لگے۔ ظہر کے وقت تک امام مظلوم کے تیس آدمی درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

ظہر کے وقت ابوثمامہ صائدی نے امام مظلوم سے کہا کہ ظہر کا وقت آ چکا ہے۔ چاہتا ہوں کہ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے ایک بار نماز اور آپ کے ساتھ پڑھ لوں۔ امام مظلوم نے نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں۔ پھر فرمایا کہ مخالف جماعت سے کہو کہ وہ اتنی دیر لڑائی موقوف رکھیں کہ ہم نماز ظہر ادا کرلیں۔ ابوثمامہ صائدی نے امام کا پیغام لشکر یزید کے سرداروں تک پہنچایا۔ مگر بے سود ثابت ہوا، اس کے لئے کوئی تیار نہ ہوا۔ آخر کار سعید بن عبداللہ اور زہیر بن قین امام مظلوم کے سپر بن کر آپ کے آگے کھڑے ہو گئے تاکہ فوج مخالف کی طرف سے آنے والا کوئی تیر امام کے جسم اطہر کو گزند نہ پہنچا سکے۔ امام مظلوم باقی ماندہ اصحاب کے ساتھ نماز ظہر پڑھتے ہیں۔ مخالفین کی طرف سے اتنے تیر برسائے گئے کہ سعید اور زہیر کے سینے اور جسم چھلنی ہو گئے۔ چنانچہ نماز کے تمام ہوتے ہی سعید زخموں سے چور ہو کر گر پڑے اور آپ کی روح قفس عنصری سے خلد کی جانب پرواز کر گئی۔

تاریخ دانوں میں کربلا میں شہید ہونے والے پہلے مرد مجاہد کے متعلق اختلاف ہے۔ مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ آخری شہادت حضرت امام حسینؑ کی تھی۔ شش ماہے حضرت علی اصغر کی شہادت کے بعد جب خیمہ حسین میں کوئی مرد اور بچہ بارگاہ حق میں قربانی کے لئے باقی نہ رہا تو آپ خود جانے کے لئے تیار ہوئے۔ آپ رخصت آخر کے لئے خیمے میں آئے اور ایک یمنی چادر کو جابجا سے چاک کر کے باقی لباس کے نیچے پہن لیا کہ بعد شہادت جب لباس لوٹا جائے تو یہ بوسیدہ کپڑہ جسم پر رہ جائے۔

حضرت امام حسینؑ جنگی اسلحوں سے آراستہ ہونے کے بعد مطہرات اہل بیت رسولؐ کے خیمے میں تشریف لائے اور فرمایا۔ اے سکینہ، اے فاطمہ، اے زینب، اے ام کلثوم، اے رباب، اے میری ماں کی کنیز فضہ ہمارا آخری سلام لو۔ مطہرات اہل بیت امام مظلوم کی صدائے الوداع سن کر رونے لگے۔ اہل بیت میں کہرام مچ گیا۔ امام مظلوم مطہرت اہل بیت رسول کو چند نصیحت کرنے کے بعد اپنے فرزند امام زین العابدین کے خیمے میں تشریف لائے۔ حضرت زین العابدین کو شدت مرض میں بیہوش پا کر حضرت زینب کو اپنے پاس بلایا، ان کو ایک لپٹی ہوئی تحریر عطا کی اور فرمایا کہ جب فرزند ہوش میں آجائے تو اسے دے دینا۔

حضرت امام حسینؑ سب سے رخصت ہو کر میدان کارزار میں تشریف لائے اور قبل اس کے کہ بنفس نفیس مشغول قتال ہوں ایک بار پھر چند نصیحت سے کام لیا۔ آپ نے فرمایا "لوگو تم میں سے جو جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہ جانتا ہے وہ جان لے کہ میں اس کا نواسہ ہوں جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔ میں بنت رسول سیدۃ النساء فاطمہ زہراؑ اور امام اول علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں۔ تم نے میرے ساتھ جو وعدے کئے تھے وہ کہاں گئے۔ تم نے میری حمایت میں مر مٹنے کی جو قسمیں کھائی تھیں وہ کدھر گئیں۔ تم نے کہا تھا کہ ہم اہل بیت رسول کے غلام ہیں اور عترت پیغمبر کے خادم ہیں۔ مگر اب جب کہ میں آ گیا ہوں تو تم نے وہ تمام وعدے بھلا دئے۔ یہ دھوکہ ہے۔ یہ فریب ہے۔ یہ عیاری ہے۔ یہ دغابازی ہے۔ تم نے دنیا کے عارضی ساز وسامان کے بدلے اپنی عاقبت خراب کر لی ہے۔ تم نے چند روزہ عیش وعشرت کے عوض اپنے دین وایمان

کا سودا کرلیا ہے۔ میں تم سے نہیں ڈرتا۔ تمہاری تلواروں سے نہیں ڈرتا۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ البتہ میری وجہ سے تم پر جو قہر الٰہی نازل ہونے والا ہے اس سے ڈرتا ہوں۔ اب بھی سمجھ جاؤ اور دین اسلام کی کشتی میں سوار ہوکر اپنے آپ کو کفر و باطل کے طوفان سے بچالو۔ اے رسول کا گھر اجاڑنے والو اگر قیامت پر یقین رکھتے ہو تو اپنے انجام پر نظر کرو۔ تم نے مجھے خطوط لکھے تھے، میرے پاس قاصد بھیجے تھے اور کہا تھا کہ ہماری رہنمائی کیجئے۔ ورنہ ہم خدا کے حضور آپ کا دامن پکڑ کر شکایت کریں گے۔ میں نے تم پر اعتماد کیا اور چلا آیا۔ تم کو تو چاہئے تھا کہ میری راہوں میں آنکھوں کا فرش بچھاتے۔ میرے پاؤں کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بناتے۔ حسب وعدہ سب کچھ مجھ پر نثار کردیتے۔ مگر تم نے اس کے بالکل برعکس میرے ساتھ ایسا برا سلوک کیا کہ مظالم کی انتہا کردی۔

ظالمو! تم نے میری آنکھوں کے سامنے چمن زہرا کے لہلہاتے پھولوں کو کاٹا۔ رسول اللہ کے جگر کے ٹکڑوں کو خاک و خون میں تڑپایا۔ میرے اعزہ و اصحاب کو قتل کیا۔ اب تم مجھے بھی ذبح کرنا چاہتے ہو۔ اب بھی وقت ہے اپنی آنکھوں پر پڑے غفلت کے پردے کو چاک کر ڈالو۔ اگر تم غیر اسلامی اور غیر شرعی حکومت کے چنگل سے نکل کر دین اسلام اور حق و شریعت کے دامن کو تھام لوگے تو میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔ میں تمہاری بخشائش کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کروں گا۔" عمر سعد حضرت امام حسین کا خطبہ سن کر ایک بار پھر گھبرا جاتا ہے۔ وہ باآواز بلند بولتا ہے۔ "حسین! اب وقت پند و نصیحت کا نہیں رہا۔ اگر یزید کی بیعت منظور ہے تو میرے قریب آجاؤ اور

اگر انکار ہے تو پھر ہماری طرف سے دعوت جنگ ہے۔"

حضرت امام حسینؑ نے عمر سعد کی طرف رخ کر کے فرمایا "تو نے دنیا کے بدلے دین کو بیچ کر اور حق کے عوض باطل کا سودا کر کے یزید کی پرستاری میں اپنی عاقبت خراب کر لی ہے۔ قیامت کے دن تیرے پاس میرے خون ناحق کے سوال کا جواب نہ ہوگا۔ اب بھی وقت ہے اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھا اور اپنے دل سے دشمنی اہل بیت کے غبار کو جھاڑ۔ اب بھی وقت ہے امانت خداوندی کی رسی کو پکڑ لے"۔ عمر سعد نے جواب دیا "میں کسی بھی قیمت پر رے کی حکومت نہیں چھوڑ سکتا۔ رے کی حکومت مجھے دین وایمان، رسول اور خدا سب سے زیادہ پیاری ہے۔ وہ میری زندگی کا نصب العین ہے۔"

حضرت امام حسینؑ نے اپنی حجت تمام کرنے کے لئے عمر سعد کو بلایا۔ عمر سعد اپنی فوج سے نکل کر آگے آیا۔ امام حسینؑ نے اس کے سامنے تین شرطیں رکھیں کہ ان میں سے کسی ایک کو قبول کر۔ پہلی شرط کہ تو میرے قتل سے باز آ جا۔ اس نے کہا یہ ممکن نہیں۔ پھر امام نے فرمایا مجھے تھوڑا سا پانی دے دے۔ اس نے کہا یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ تو مجھ سے لڑنے کے لئے ایک ایک شخص کو بھیج۔ اس نے کہا کہ یہ شرط منظور ہے۔ عمر سعد یہ سمجھ رہا تھا کہ حسین تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں ان میں اتنی طاقت نہ ہوگی جو کوفے کے نامور پہلوانوں کا مقابلہ کر سکیں گے۔ اس نے مقابلے کے لئے تمیم ابن قحطبہ کو بھیجا۔ وہ نہایت پھرتی سے آ کر امام پر حملہ آور ہوا۔ مگر امام مظلوم کی تیز دستی نے اس کی پھرتی کا ایسا جواب دیا کہ وہ دم کے دم میں مقتول ہو کر

زمین پر لوٹنے لگا۔ تمیم ابن قحطہ کے بعد انس بن سنان بڑے تکبر و غرور کے ساتھ تلوار چمکاتا ہوا مقابلہ کو آیا۔ مگر ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ تیغ حسینی نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر اس کا بھائی غصہ میں کانپتا ہوا آیا۔ مگر اس کا بھی وہی انجام ہوا۔ جابر ابن قاہر قمی بڑے کروفر کے ساتھ رجز پڑھتا ہوا آگے بڑھا کہ بہادران شام و عراق میں میری شجاعت اور بہادری کے چرچے ہیں۔ کسی میں میرے مقابلہ کی تاب نہیں۔ جب سپاہ شام کا یہ سرکش امام مظلوم کے سامنے آیا تو امام مظلوم نے اس پر ایک ایسا وار کیا کہ اس کا بازو کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر امام مظلوم اس کے سر پر دوسرا وار کر بیٹھے جس سے اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بدر بن سہیل یمنی غصہ سے لال پیلا ہوا اور اس نے اپنے بیٹوں کو بھیجا۔ مگر اس کے بیٹوں کا بھی وہی انجام ہوا۔ بدر بن سہیل اپنے چاروں بیٹوں کو خون میں غلطاں دیکھ کر غیض و غضب کا پتلا بن کر نیزہ ہلاتے ہوئے میدان میں آیا مگر اس کا بھی وہی انجام ہوا۔ امام مظلوم نے تلوار آبدار کا ایک ایسا وار کیا کہ وہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ پھر یکے بعد دیگرے جو بھی سامنے آتا گیا تیغ حسینی کی زد سے باہر نہ نکل سکا، ایک ایک کر کے واصل جہنم ہوتا چلا گیا۔

جب بہت سارے یزیدی لشکر کے فوجی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تو عمر سعد کے حواس باختہ ہو گئے۔ اس نے معاہدہ شکنی پر عمل کیا اور لشکر والوں کو پکار کر کہا کہ سب مل کر یکبارگی حملہ کرو۔ عمر سعد کے اس حکم پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ امام مظلوم لڑتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ میرے قتل کے لئے جمع

ہونے والو خدا کی قسم! میرے بعد کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو گے جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کے غضب کا باعث ہوگا۔ خدا مجھے عزت بخشے گا اور تمہیں ذلیل کرے گا۔ جب تک تم پر سخت عذاب نازل نہیں کرے گا وہ راضی نہ ہوگا۔ حضرت امام حسینؑ کی تلوار جس جانب گرتی تھی یزیدی لشکر کو خاکستر کرتی جاتی تھی۔ میسرہ کی طرف بڑھے تو لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ قلب میں گئے تو تباہی مچ گئی۔ میمنہ کا رخ کیا تو واویلا مچ گیا۔ یزیدی لشکر میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے خوشیوں کی لہر دوڑ رہی تھی وہاں اب آہ و بکا کی صدائیں اٹھ رہی تھیں۔ عمر سعد حضرت امام حسینؑ کا انداز جنگ دیکھ کر دنگ تھا۔ اس نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ حسینؑ کو چاروں طرف سے گھیر لو۔ عمر سعد کے حکم پر یزیدی لشکر نے امام حسینؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

حصین بن نمیر، ابو ایوب غنوی، نصر ابن خرشہ، عمر بن خلیفہ، صالح ابن وہب، سنان ابن انس، ابو الحتوف جعفی، ابو قدام عامری، مالک ابنجشیر کندی، ذرعہ بن شریک، خولی بن یزید امام مظلوم کے گرد حلقہ باندھ لیا۔ عمر سعد نے کہا "اب دیر نہ کرو۔ آگے بڑھو اور فرزند رسول کا گلا کاٹ دو" عمر سعد کے حکم پر ذرعہ ابن شریک آگے بڑھا۔ امام مظلوم نے اس پر اپنی تلوار سے ایسا وار کیا کہ وہ زخم کی تاب نہ لا کر فوراً مر گیا۔ ذرعہ بن شریک کے مارے جانے سے ظالموں کا گروہ جو چاروں طرف سے امام مظلوم کو گھیرے ہوئے تھا خوفزدہ ہو کر تھوڑا ہٹ گیا۔ عمر سعد کے کہنے پر ایک بار پھر امام مظلوم پر تیروں اور نیزوں کی بارش ہونے لگی۔ روایت ہے کہ امام مظلوم کے جسم اطہر پر تیر اور نیزوں کے چھوٹے بڑے انگنت زخم تھے۔ تھوڑی دیر بعد نصر بن خرشہ اور

خدی بن یزید امام کے سرانور کو جسد اطہر سے جدا کرنے کے لئے آگے بڑھا لیکن اس کا ہاتھ بھی کانپنے لگا۔ شمر بن ذی الجوشن اپنے آدمیوں سے کہا کہ دیکھتے کیا ہو حسین زخموں سے نڈھال ہیں۔ ہمت کرو اور کام تمام کر ڈالو۔ مگر کوئی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ آخر کار شمر آگے بڑھا اس نے سینے پر سوار ہو کر آپ کا سرانور جسد اطہر سے جدا کر دیا اور اسے خولی بن یزید کے حوالے کر دیا۔ فرق مبارک کو جسم اطہر سے جدا کرنے کے بعد شمر نے باواز بلند نعرہ لگایا۔" **قتل الحسین بکربلا** "شمر کے نعرہ کے بعد یزیدی لشکر کے لوگ بھی قتل الحسین بکربلا کا فلک شگاف نعرہ لگانے لگے اور خوشیوں سے ناچنے لگے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

باب-۶

علیؑ کے بیٹے حضرت عباسؑ کی شہادت

اس باب میں ہم
شہادت حضرت عباسؑ
کے متعلق گفتگو کریں گے

تاریخ اسلام میں ان لوگوں کی فہرست اچھی خاصی ہے جن لوگوں نے شہید ہوکر اپنے خون سے گلشن اسلام کی آبیاری کی اور اسے سدا بہار بنادیا۔ ان شہداء میں سرفہرست نام شہید اعظم سیدنا حضرت امام حسینؑ کا اسم گرامی ہے۔ آپ شہادت کے میدان میں آفتاب بن کر چمکے اور دین اسلام کو عالم تاب بنادیا۔ سیدنا حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد دوسرے نمبر پر کسی کا نام آئے گا تو وہ ام البنینؓ اور حضرت علیؑ کے بیٹے عباسؓ کا آئے گا۔ تاریخ اسلام کا سب سے اندوہ ناک، دردناک اور تاریک باب واقعہ کربلا ہے۔ تاریخ کربلا جب بیان کی جائے گی تو جہاں بہتر نفوس کی بلند کرداری اور جاں نثاری کا ذکر ہوگا وہیں ہزاروں تاریک بھیانک اور بدنما کردار نظر آئیں گے جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ کربلا ہمیں سبق سکھاتی ہے کہ دیکھو دنیا میں کیسے کیسے لوگ ہوتے ہیں جو دنیاوی چندروزہ زندگی میں عیش وآرام کے لئے نہ تو رسولؐ کا احترام کرتے ہیں اور نہ ان کے قول واقوال کا۔ رسولؐ نے کہا تھا کہ جنت کے جوانوں کے سردار حسنؑ وحسینؑ ہیں۔ ان دونوں کے ساتھ امت مصطفوی نے کیا سلوک کیا کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جن کے ساتھ محبت اور احترام سے پیش آنے کا حکم خدا نے دیا تھا ان کو کلمہ گووں نے تپتی ریگ اور سنسان زمین میں تین دن تک بھوکا پیاسا رکھ کر قتل کردیا۔

روز عاشور ظہر کے ہنگام کے بعد جب خیمہ حسینی میں کوئی باقی نہ بچا تو حضرت عباسؓ جنگ کی اجازت لینے امام مظلوم کے پاس آئے۔ اس وقت تین دن کے بھوکے اور پیاسے بچے پیاس کی شدت سے تڑپ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں غم و اندوہ اور پیاس کی شدت سے رو رو کر سوکھ گئی تھیں۔ ایک دردناک منظر اور پرسوز سماں تھا جو ان معصوم بچوں کے چہروں سے عیاں تھا۔ حشر کے میدان میں جن گنہگاروں کو

حوضِ کوثر سے سیراب کرنے والے حسینؑ اپنے نانا کا کلمہ پڑھنے والی امت کے ہاتھوں پانی کی ایک ایک بوند کو ترس رہے تھے۔ امام مظلوم کی کمسن تین سالہ بچی سکینہ اپنے چچا اور حسینی لشکر کے علم دار عباسؑ کے پاس آتی ہیں اور پانی کی طلب گار ہوتی ہیں۔ فرماتی ہیں کہ چچا تشنگی برداشت نہیں ہوتی۔ میرے حلق خشک ہو گئے ہیں۔ میں مر جاؤں گی۔ مجھے دو بوند پانی لا دیجئے کہ خشک حلق کو تر کر سکوں۔ حضرت عباسؑ بی بی سکینہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور انہیں دلاسہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی پانی لاتا ہوں۔ حضرت عباسؑ اٹھتے ہیں اور مظلوم امام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ امام مظلوم سے اجازت جنگ طلب کرتے ہیں۔ امام مظلوم اپنی فوج کے علم دار کو بڑی حسرت و یاس سے دیکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں مجھ پر رحم کرو۔ تم میری اس چھوٹی سی جماعت کے علم دار ہو۔ تمہارے بعد یہ علم کون اٹھائے گا۔ تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کسی بات کی فکر نہیں۔ تمہاری وجہ سے میری ہمت بندھی ہوئی ہے۔ تمہارے ہونے سے میرا حوصلہ برقرار ہے۔ تم پر ہر ایک کو بھروسہ ہے۔ تم ایک ذات امید گاہ ہو۔ تم پر سب لو لگائے بیٹھے ہیں۔ تمہارے ہوتے کسی کی مجال نہیں جو میرے خانوادے کی طرف دیکھے۔ اپنے بھائی پر ترس کھاؤ۔ دشمن کے نرغوں میں نہ جاؤ۔ آج کا دن عجیب دن ہے۔ جو بھی اس طرف کا رخ کرتا ہے واپس لوٹ کر نہیں آتا۔ حر گئے نہیں لوٹے۔ عبداللہ بن عمیر گئے نہیں لوٹے۔ مسلم بن عوسجہ گئے نہیں لوٹے۔ بریر گئے نہیں لوٹے۔ شبیب گئے نہیں لوٹے۔ حبیب گئے نہیں لوٹے۔ زہیر گئے نہیں لوٹ۔ ابو ثمامہ گئے نہیں لوٹے۔ جون گئے نہیں لوٹے۔ عون گئے نہیں لوٹے۔ قاسم گئے نہیں لوٹے۔ مسلم کے بچے گئے نہیں لوٹے۔ علی اکبر گئے نہیں لوٹے۔ الغرض جو گیا واپس نہیں آیا۔ اب تم جانا چاہتے ہو۔ کیوں میرے دل کا بوجھ بڑھاتے ہو۔ حضرت عباسؑ

نے امام مظلوم کے قدموں کا بوسہ لیا اور عرض کیا۔ آقا میں جانتا ہوں کہ اس میدان میں ہمارے لئے موت کے سوا کچھ نہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آج اس طرف جو بھی گیا وہ لوٹ کر واپس نہیں آیا۔ مگر وہ موت جو اللہ کی راہ میں آئے وہ موت نہیں ہے۔ وہ زندگی ہے۔ وہ فنا نہیں بقا ہے۔ ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان۔ آپ فکر نہ کریں۔ جب تک میری جان میں جان ہے میں حق وصداقت کا علم گرنے نہ دوں گا۔ کچھ ایسا کام کر جاؤں گا کہ قیامت تک یہ علم بلند رہے گا۔ امام مظلوم نے کہا عباسؑ ایک دن تم پیدا ہوئے تھے۔ میں نے ایک دن تمہارے کان میں اذان کہی تھی۔ تم کو میں نے اپنی زبان چسائی تھی۔ کبھی میں نے تم کو اپنے سینے پر سلایا تھا۔ کبھی میں نے تم کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔ اے عباس تم آج مجھ سے رخصت مانگنے آئے ہو۔ اے عباس تم مجھے الوداع کہنے آئے ہو اے عباس تم مجھے خدا حافظ و ناصر کہنے آئے ہو۔ اے عباس تم مجھے انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے آئے ہو۔ ابھی امام مظلوم اور علمدار حسینؑ کے درمیان گفتگو چل ہی رہی تھی کہ بچوں کی العطش العطش کی صدا فضا میں گونجنے لگی۔ امام مظلوم کی آنکھیں صدائے العطش سن کر اشک بار ہوگئیں۔ فرمایا میرے بھائی عباس جاؤ۔ لیکن میں تمہیں جنگ کی اجازت نہیں دیتا۔ تم میدان میں جاؤ اور پانی کی کوئی سبیل کرو۔ دشمنوں سے پانی طلب کرو۔ شاید کسی صاحب اولاد کے دل میں رحم آجائے اور تھوڑا سا پانی دے دے کہ بچوں کی جان بچ جائے۔ اجازت ملتے ہی حضرت عباسؑ اپنے خیمے میں آتے ہیں اور ہاتھ میں مصری تلوار لیتے ہی۔ پشت پر کی ڈھال لٹکاتے ہیں۔ سر پر رومی خود پہنتے ہیں۔ کاندھوں پر مدنی مشکیزہ رکھتے ہیں اور یمنی گھوڑے پر سوار ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہی یمنی گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہاتھ سے تلوار لے لیتے ہیں۔ اور

تلوار کے بجائے نیزہ دے دیتے ہیں۔ حضرت عباسؓ خاموش رہتے ہیں اور تلوار دے کر نیزہ لے لیتے ہیں۔ حضرت عباسؓ گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہیں۔ مگر گھوڑا آگے نہیں بڑھتا۔ دیکھا کہ پیاری بھتیجی سکینہ گھوڑے سے لپٹی ہوئی ہے۔ سکینہ نے کہا اے چچا، کہاں چھوڑ کر چلے؟ ادھر جو گیا پھر پلٹا نہیں۔ دیکھو تمہیں جاتا دیکھ کر پھوپھی رو رہی ہیں۔ اماں رو رہی ہیں۔ سب بے حال ہیں۔ تم چلے جاؤ گے تو لوگ ہمیں بے سہارا سمجھ کر ماریں گے۔ ہمارا خیمہ لوٹ لیں گے۔ تم نہ جاؤ۔ میری مشک مجھے واپس کر دو۔ پانی کی چاہت نہیں۔ حضرت عباسؓ گھوڑے کی پیٹھ سے نیچے اتر آتے ہیں اور پیاری بھتیجی کو گود میں لے لیتے ہیں۔ اسے پیار کرتے ہیں۔ عباسؓ نے دیکھا پھول سے رخسار کملائے ہوئے ہیں۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ پیاس سے زبان سوکھی ہوئی ہے۔ حضرت عباسؓ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ بھتیجی کو سمجھاتے ہیں کہ میں لڑنے نہیں جا رہا ہوں۔ میں تمہارے لئے پانی لانے جا رہا ہوں۔ دیکھو میرے ہاتھ میں تلوار نہیں ہے۔ میں نے تمہارے بابا کو تلوار دے دی ہے۔ میں بالکل نہتا جا رہا ہوں۔ میں آؤں گا واپس لوٹ کر۔ میں تمہارے لئے پانی لاؤں گا۔ میں تمہیں پانی پلاؤں گا۔ میں تمہارے خشک گلے کو تر کروں گا۔ اللہ سے دعا کرو کہ وہ پھر ہمیں ملائے۔ وہ ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب کرے۔ دیکھو دشمن کس طرح تمہارے بابا کو للکار رہے ہیں۔ میرا راستہ چھوڑ دو۔ مجھے غیرت آرہی ہے۔ مجھے ان کی للکار کا جواب دینے دو۔ دشمنوں کے طعنے سنے نہیں جا رہے ہیں۔

حضرت عباسؓ بھتیجی کو اپنے آقا سیدنا حضرت امام حسینؓ کی گود میں دے دیتے ہیں اور میدان کارزار کا رخ کرتے ہیں۔ میدان کارزار میں فوج اشقیا کو سمجھاتے ہیں۔ ''اے لوگو دنیا کے مکر و فریب میں نہ آؤ۔ اگر دنیا کے مکر و فریب میں

آ گئے تو قیامت کے روز خدا تم پر عتاب نازل کرے گا اور اپنی رحمت کو تم سے دور کر دے گا۔ تم پر شیطان غالب آ گیا ہے۔ شیطان نے تم کو ذکر خدا سے الگ کر دیا ہے۔ اس وقت خدا تمہارا اور ہمارا امتحان لے رہا ہے۔ وہ اس امتحان کے ذریعہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کا صحیح بندہ کون ہے۔ کون ہے جو حق و صداقت کا ساتھی ہے۔ کون ہے جو رذالت و ضلالت کا شریک ہے؟ اے لوگو! تم دو ملحد لوگوں کی خوشنودی کے لئے اور ان کی رضا جوئی کے لئے میرے آقا کا خون بہانا چاہتے ہو۔ تمہیں خدا کا ذرا بھی خوف نہیں۔ تم کیسے کلمہ گو ہو جو حق اور باطل میں امتیاز نہیں رکھتے۔ تم بتاؤ کہ میرے آقا کا قصور کیا ہے؟ میرے آقا تو فخر و مباہات کا مجسمہ ہیں۔ میرے آقا تو اس کے بیٹے ہیں جن کے ماں باپ دونوں خدا کے نزدیک برگزیدگان خلق ہیں۔ کسی کا جد دنیا میں میرے آقا کے جد کے برابر نہیں۔ میرے آقا قرآن کے عالم اور اس پر عامل ہیں۔ میرے آقا زاہد و متقی ہیں۔ میرے آقا پاکیزہ خصائل اور پرہیزگار ہیں۔ میرے آقا سخی اور شیریں بیان ہیں۔ خدائے عزوجل کے نزدیک جھوٹ بولنا حرام ہے۔ میں نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کسی سے وعدہ خلافی کی ہے اور نہ کسی مومن کو آج تک ناراض کیا ہے اور نہ کوئی نماز قضا کی ہے۔ تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ رسولؐ خدا نے میرے آقا اور ان کے بھائی کے متعلق کیا کہا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ "یہ دونوں سردار جوانان جنت ہیں"۔ آپ کی والدہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ "فاطمہؑ میرا ایک ٹکڑہ ہے"۔ تم کیسی قوم اور کیسی امت ہو کہ اپنے رسول کے اسی ٹکڑے کی ذریت اور ان کے نواسے کو گھیرے ہوئے ہو۔ ان کے خون ناحق پر آمادہ ہو۔ میرے آقا نے آج تک کسی کا خون نہیں کیا۔ میرے آقا نے کسی کی کوئی چیز غصب نہیں کی۔ تم کو میرے آقا سے کس بات کا قصاص لینا ہے۔ تم کیوں میرے آقا کا خون بہانا حلال سمجھتے ہو؟ خدا

سے ڈرو اور میرے آقا کو قتل نہ کرو۔ میرے آقا کا قتل تم پر حلال نہیں ہے۔ میرے آقا سے تمہیں کیا ڈر ہے؟ وہ تو خاموش خدا کی عبادت میں مشغول تھے۔ تم نے میرے آقا کو مجبور کیا نانا کا مقدس شہر چھوڑنے کے لئے۔ تم نے میرے آقا کو مجبور کیا خدا کا مقدس شہر چھوڑنے کے لئے۔ تم نے میرے آقا کو خطوط لکھے تھے۔ اب جب میرے آقا تمہارے درمیان آگئے ہیں تو تم ان سے بے وفائی کرتے ہو۔ تم اپنے وعدوں سے پھر گئے ہو۔ تم اپنے وعدوں سے پھر گئے یہ تمہارا عمل ہے۔ تم بے وفائی کر رہے ہو یہ تمہارا عمل ہے۔ تمہاری دشمنی اگر میرے آقا سے ہے تو ذرا غور کرو اس میں بچوں کا کیا قصور ہے؟ تم نے میرے آقا کے بچوں پر پانی بند کر دیا ہے۔ تین دن سے وہ بھوکے اور پیاسے ہیں۔ ان کے نورانی چہرے کملا گئے ہیں۔ وہ پیاس کی شدت سے بے حال ہو رہے ہیں۔ ان کی زبان سوکھ گئی ہے۔ تم میں جو صاحب اولاد ہے ذرا تصور کرے کہ کیا تم اپنے بچوں کا رونا برداشت کر سکو گے؟ اے صاحب اولاد لشکریو ! امام مظلوم کے بچوں کے بلکنے کی آواز کو محسوس کرو۔ سوچو کہ کیا تم اپنے بچوں کا بلکنا سہہ سکو گے؟ تم نے میرے بھائیوں اور ہوا خواہوں کو قتل کر دیا۔ اب کم از کم اتنا تو کرو کہ ہم کو تھوڑا پانی دے دو کہ بچے شدت تشنگی سے ہلاک نہ ہوں۔ ان بچوں کے لئے تھوڑا سا پانی دے دو کہ وہ سب اپنے کلیجے کی آگ بجھا سکیں۔ اے لوگو! تم پر افسوس ہے کہ سامنے فرات کا دریا جس سے خدا کی بنائی ہوئی ہر مخلوق حتیٰ کہ نجس جانور تک سیراب ہو رہے ہیں اور ساقی کوثر کے لخت جگر پیاسے ہیں۔ تمہاری اس حرکت سے ساقی کوثر کے بچے بے طاقت و بیدم ہو گئے ہیں۔ اے پسر سعد تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے اپنے گھوڑے کو سیراب کر رکھا ہے اور آقا کے چھوٹے چھوٹے بچے پیاسے ہیں۔ وہ اس قدر پیاسے ہیں کہ سب کی جان نکلنے کے قریب ہے۔

حضرت عباسؑ لشکر اعدا کے درمیان نصیحت کی باتیں کرتے رہتے ہیں کہ کسی نے آپ پر تیر چلا دیا۔ ایک تیر کا آنا تھا کہ متواتر کئی تیر آگئے۔ حضرت عباسؑ کو جلال آگیا۔ آپ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا غصہ میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت عباسؑ کا جلال اور گھوڑے کا تیور دیکھ کر یزیدی لشکر بھاگنے لگا۔ حضرت میمنہ کی طرف گئے تو میمنہ کے سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ میسرہ کی طرف گئے تو میسرہ کے سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ قلب لشکر میں گئے تو وہاں کے سپاہی بھاگ گئے۔ آن واحد میں حضرت کا گھوڑا فرات کے کنارے پہنچ گیا، جہاں پانچ ہزار پہرہ دار پہرہ دے رہے تھے۔ پہرہ دار بھی خوف سے فرات چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت عباسؑ نے گھوڑا فرات میں ڈال دیا۔ مشکیزہ بھی پانی میں ڈبو دیا اور گھوڑے کی لگام کو بھی ڈھیل دے دیا۔ اسپ باوفا سے کہا کہ تو پانی پی لے۔ خود پانی چلو میں لیا اور پھر کچھ سوچ کر پھینک دیا۔ باوفا گھوڑے نے اپنے راہوار کا منہ دیکھا اور اس نے بھی پانی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ عمر سعد نے کہا غضب ہو گیا۔ سقے نے پانی بھر لیا۔ دیکھو، پانی پہنچ گیا تو غضب ہو جائے گا۔ تم میں سے ایک بھی بچ نہ پائے گا۔ جب پیاسے اس طرح لڑ رہے ہیں کہ صف کی صف الٹ دے رہے ہیں تو پھر پانی پینے کے بعد کیا ہوگا۔ عباسؑ کو چاروں طرف سے گھیر لو۔ اگر قریب جانے کی ہمت نہیں تو دور سے تیر چلاؤ۔ عمر سعد کے حکم پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ حضرت عباسؑ نے رجز پڑھا کہ ہم نسل ہاشمی کی تلواریں ہیں جن کی دھاریں تمہارا خون بہانے کے واسطے ہیں۔ اے کمینو میرے پاس آؤ۔ دیکھو تھوڑی دیر میں تم اپنے بدافعال پر نادم ہو گے اور افسوس کرو گے اور سوچو گے کہ دنیا کی لذت کوئی کام نہ آئی اور اتنی جلد داعی اجل ہو گئے۔ حضرت عباسؑ لشکر اعدا کو للکارتے ہیں۔ جو بھی للکار سن کر آپ کے قریب آتا ہے وہ تہ تیغ ہو جاتا ہے۔

لشکر کی یہ حالت دیکھ کر بڑے بڑے شجاع تہہ تیغ ہو چکے ہیں۔ عمر سعد اپنے فوجیوں کو غیرت دلاتا ہے کہ تم تعداد میں اتنے ہو کہ اگر ایک ایک مٹھی خاک بھی ان کی طرف پھینک دو گے تو وہ اس میں دب کر مر جائیں گے۔ تم سب ایک جٹ ہو کر عباسؑ کی طرف بڑھو۔ عمر سعد کے حکم پر تمام فوجی یکجٹ ہو کر حضرت عباسؑ کی طرف بڑھتے ہیں۔ نوفل بن ارزق اور زرارہ بن محارب نام کے دو آدمی کمین گاہ میں چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ عباسؑ ادھر سے گزریں کہ ان پر حملہ کر دیا جائے گا۔ حضرت عباسؑ کا گزر ادھر سے ہوتا ہے۔ وہ دونوں چھپ کر آپ کے داہنے ہاتھ پر ایک زوردار تلوار مارتے ہیں۔ آپ کا ہاتھ کٹ کر گر جاتا ہے۔ حضرت عباسؑ رجز پڑھتے ہیں کہ گرچہ تو نے میرا سیدھا ہاتھ قلم کیا ہے لیکن میں اپنے دین کی حمایت میں ضرور جہاد کروں گا اور اپنے آقا کی حفاظت کروں گا۔ حضرت عباسؑ رجز پڑھتے ہوئے ایک بار پھر فوج اشقیاء پر حملہ کرتے ہیں اور پچاسوں سواروں کو مار ڈالتے ہیں۔ حضرت عباسؑ الٹے ہاتھ سے لڑتے ہیں کہ زید بن ورقا جہنی آپ پر حملہ کرتا ہے کہ آپ کا بایاں ہاتھ بھی قطع ہو جاتا ہے۔ آپ کے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے خون جاری ہونے لگتا ہے۔ آپ مشکیزہ کو دانتوں سے پکڑ لیتے ہیں۔ اور نہایت تیزی سے خیمہ مطہر کی طرف بڑھ جاتے ہیں صرف اس حسرت میں کہ پانی کسی طرح حرم تک پہنچ جائے اور معصوم بچے سیراب ہو جائیں۔ اسی اثناء حکیم بن طفیل موقع پا کر آپ کے سر پر ایک ایسی ضرب لگاتا ہے کہ آپ گھوڑے سے زمین پر گر جاتے ہیں۔ حضرت عباسؑ کو گرا دیکھ کر عمر بن الحجاج کے سپاہیوں نے اس قدر تیر اندازی کی کہ مشکیزہ جگہ بہ جگہ سے چھد جاتا ہے اور سارا پانی بہہ جاتا ہے۔ حضرت عباسؑ گرتے ہی امام مظلوم کو آواز دیتے ہیں کہ آقا اپنے غلام کی خبر لیجئے۔ امام مظلوم بھائی کی آواز سن کر مثل شاہین جھپٹ کر بھائی کی طرف جاتے ہیں۔

کچھ دور جاتے ہیں کہ امام مظلوم کو بھائی کا کٹا ہوا ایک ہاتھ ملتا ہے، پھر دوسرا۔ امام مظلوم دونوں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کیا یہ وہی ہاتھ ہیں جنہیں بابا نے اکیسویں رمضان کو میرے ہاتھوں میں دیا تھا۔ افسوس کہ میں ان ہاتھوں کی حفاظت نہ کر سکا۔ امام مظلوم دونوں ہاتھوں کو کلیجے سے لگاتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ بھائی خاک وخون میں تڑپ رہا ہے۔ امام مظلوم عالم رنج وغم میں سرہانے بیٹھ جاتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ بھائی کے سر کو اپنی گود میں لے لیں کہ عباسؑ منع کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ مولا! میرا سر اپنے قدموں میں رہنے دیں۔ غلام کی جگہ قدموں میں ہوتی ہے۔ امام مظلوم بھائی کے الفاظ سن کر رو پڑتے ہیں۔ عباس کہتے ہیں مولا مرنے سے قبل ایک بار آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ پیدا ہوا تھا تو میں نے آپ کے سامنے آنکھ کھولی تھی۔ اب مرتے وقت آپ کے سامنے آنکھ بند کرنا چاہتا ہوں۔ ہاتھ کٹ گئے ہیں۔ شانے قلم ہو گئے ہیں۔ ایک آنکھ میں تیر ہے اور ایک آنکھ میں سر کا خون جما ہوا ہے۔ میری دونوں آنکھیں بند ہیں۔ بس میرے آقا تکلیف کیجئے میری آنکھوں کا خون صاف کر دیجئے کہ روح پرواز ہونے سے قبل اپنے آقا کا روئے انور دیکھ لوں۔ آپ کی زیارت کر لوں اور دم توڑ دوں۔ حضرت امام حسینؑ خون صاف کرتے ہیں۔ عباسؑ آنکھیں کھولتے ہیں اور مسکراتے ہیں۔ امام مظلوم کہتے ہیں۔ "کاش میں تم سے پہلے مر جاتا کہ یہ روح فرسا وقت میرے سامنے نہ آتا"۔ حضرت عباسؑ کہتے ہیں "آقا ایسے کلمات نہ فرمایئے۔ دل ٹوٹا جاتا ہے۔ آپ نہ روئیں۔ ایک غلام کے مر جانے سے کیا فرق پڑتا ہے"۔ حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ "اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ میں بہت جلد تم سے آ کر مل رہا ہوں تو تمہیں کہتا کہ وصیت کرو کہ میں اس وصیت کو پورا کروں۔" عباسؑ نے کہا "آقا میری ایک وصیت ہے آپ سے"

امام مظلوم نے کہا ''کہو''۔ عباسؑ نے کہا'' آقا جب میں خیمے سے چلا تھا تو سکینہ سے وعدہ کیا تھا کہ پانی لاؤں گا اور تجھے پلاؤں گا،مگر میں اپنا وعدہ پورا نہ کرسکا۔ مجھے سکینہ سے شرمندگی معلوم ہوتی ہے۔ میرے لاشے کو خیمہ میں نہ لے جائیں گے۔ میں سکینہ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا''۔ امام مظلوم نے اشارے سے ''ہاں'' کہا۔ امام مظلوم سے ہاں کا اشارہ پاتے ہی حضرت عباسؑ کی روح جسد خاکی سے پرواز کر جاتی ہے۔ امام مظلوم نے کہا اناللہ وانا الیہ راجعون۔ پھر امام مظلوم اپنی کمر پکڑ کر اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں،عباسؑ میرے بھائی تمہاری موت نے میری کمر توڑ دی۔ عباس تمہاری موت کے بعد میرے لئے تدبیر کی راہیں بند ہوگئیں۔ عباس تمہارے مرنے سے مجھے ضعف محسوس ہو رہا ہے۔ عباس تم تو سایہ کی طرح میرے ساتھ رہتے تھے۔ اب تم کہاں ہو؟ میرے ساتھ ساتھ کیوں نہیں آتے۔ امام مظلوم بھائی کا نوحہ پڑھتے ہوئے خیمہ کے قریب آتے ہیں۔ مطہرات کو بھائی کی شہادت کی خبر دیتے ہیں۔ عباسؑ کی شہادت کی خبر سن کر مطہرات اہل بیت میں کہرام مچ جاتا ہے۔ ہر طرف سے ''واعباسا'' ''واعباسا'' کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ امام مظلوم سبھوں کو دلاسہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں''اے بیکس وحزیں صبر کرو،مشیت الٰہی میں کسی کا زور نہیں''۔
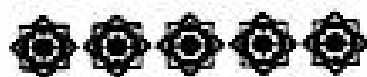
باب۔۷

علیؑ کے بیٹے حضرت عباسؑ کی خصوصیات

اس باب میں ہم
حضرت عباسؑ کی خصوصیات
کے متعلق گفتگو کریں گے

تاریخ داں کہتے ہیں کہ جب حضرت عباسؑ کی ولادت ہوئی تھی تو حضرت امام حسینؑ بھائی کو گود میں لے کر اس قدر خوش ہوئے تھے کہ اپنے والد سے اپنے بھائی کو مانگ لیا تھا۔ حضرت علیؑ اپنے بیٹے کی اس فرمائش پر آبدیدہ ہو گئے تھے۔ اور رضامند ہو گئے تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی کی پرورش اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر اپنی خاص دیکھ ریکھ میں کی تھی۔ حضرت امام حسینؑ کو اپنے بھائی عباسؑ سے بے انتہا محبت تھی۔ اور حضرت عباسؑ کو بھی اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ سے بے انتہا محبت تھی جسے آپ نے بچپن سے تادم آخر قائم رکھا۔

قدرت نے عہد طفلی ہی سے حضرت عباسؑ کے دل میں حضرت امام حسینؑ کے لئے اور حضرت امام حسینؑ کے دل میں حضرت عباسؑ کے لئے بڑی عجیب و غریب محبت پیدا کر دی تھی۔ حضرت عباسؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ ساری زندگی ایک سایے کی طرح رہے۔ آپ ہر جگہ فرط محبت میں حضرت امام حسینؑ کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے اور حضرت امام حسینؑ کے پاؤں کی خاک اپنی آنکھوں سے لگا لیا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ کربلا میں ایک رات جب عمر سعد نے امام حسینؑ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کرنا چاہا تو حضرت امام حسینؑ برائے گفتگو اپنے خیمے سے نکلے۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ احساس ہوا کہ کوئی پیچھے سے آرہا ہے۔ مڑ کر دیکھا تو دیکھا کہ عباسؑ چلے آرہے ہیں۔ امام نے فرمایا "عباسؑ! تم کہاں آرہے ہو؟ بات تو تنہائی میں کرنے کی طے ہوئی ہے"۔ حضرت عباسؑ نے فرمایا "آقا! وہ دیکھئے، عمر سعد کا غلام بھی اس کے ساتھ ہے"۔ جس طرح حضرت علیؑ نے بھائی ہو کر بھی خود کو حضرت رسولؐ کا غلام کہا اسی طرح حضرت عباسؑ نے بھی بھائی ہو کر خود کو حضرت امام حسینؑ کا غلام کہا۔ حضرت عباسؑ نے کبھی بھی اپنے بھائی حسینؑ کو بھائی کہہ کر مخاطب نہیں کیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن حضرت امام حسینؑ نے اس کا سبب حضرت عباسؑ سے دریافت کیا تو حضرت عباسؑ نے فرمایا "میری جان آپ پر نثار۔ بات یہ ہے کہ اگرچہ میں اور آپ ایک نسل پدری سے ہیں لیکن میری ماں آپ کی مادر گرامی کی کنیز ہیں۔ میری ماں کی تعلیم ہے کہ کبھی بھی فرزند بنت رسول کو بھائی نہ کہنا۔ فرزند بنت رسولؐ کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کی بلندیوں کو کوئی چھو نہیں سکتا۔ گرچہ میں علیؑ کی بیوی ہوں مگر میں بنت رسولؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بنت رسولؐ خاتون جنت ہیں اور میں کچھ بھی نہیں۔ بنت رسولؐ کا مقام بہت اعلیٰ ہے۔ میری ماں آپ کی والدہ کی کنیز ہیں اس لحاظ سے میں آپ کا غلام ہوں اور آپ میرے آقا ہیں۔ آپ جوانان جنت کے سردار ہیں اور میں کچھ بھی نہیں۔ آپ ہمارے نبی کریم کے جسم مبارک کا ایک حصہ ہیں کہاں آپ کی ذات والا صفات اور کہاں میں؟

حضرت عباسؑ غلام کے مفہوم سے واقف تھے لہذا آپ نے خود کو ایک غلام کی طرح رکھا۔ آپ جانتے تھے کہ غلام اسے کہتے ہیں جو بلا چوں و چرا ہر وقت اپنے آقا کی حکم برداری کرے۔ وہ اپنے آقا کا حکم جبیں پر بل لائے بغیر خوشی خوشی بجا لائے۔ وہ اس بات کے لئے ہر وقت کھڑا رہے کہ اس کا آقا اسے حکم دے اور وہ اسے پورا کرے۔ حضرت عباسؑ کو یہ گوارا نہ تھا کہ حسینؑ کی کوئی خدمت ایسی ہو جو آپ کے عوض کوئی دوسرا کر جائے۔ ایک واقعہ آپ کے بچپن کا بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن امام حسینؑ کو پیاس محسوس ہوئی۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنے غلام قنبر سے پانی لانے کو کہا۔ حکم پاتے ہی قنبر اٹھے۔ حضرت عباسؑ جو اس وقت کمسن تھے اور مسجد کے صحن میں بیٹھے تھے قنبر سے کہا ٹھہرو میں اپنے آقا کے لئے پانی لاؤں گا۔ حضرت عباسؑ پانی لانے کے لئے گئے اور تعظیماً حسینی جام کو سر پر رکھا اور چلے۔ راستے میں پانی چھلکنے لگا

اور آپ کا کپڑا پانی سے تر بتر ہو گیا۔ اسی حالت میں آپ حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچے۔ حضرت علیؑ نے بدن پر چھلکا ہوا پانی دیکھا تو آپ اشکبار ہو گئے۔ واقعہ کربلا یاد آ گیا۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ ایک دن عباسؑ اپنے بھائی کے لئے اسی طرح پانی لانے جائے گا۔ اس وقت اس کا کرتا پانی کے بجائے خون سے بھیگے گا۔ جفا شعار اس کا سر نیزوں اور تلواروں سے چھلنی کر دیں گے اور اسے خون میں نہلا دیں گے۔

اکابرین کا کہنا ہے کہ کسی بھی شخص کو سمجھنے میں اس کی وجاہت بڑی مدد دیتی ہے۔ آدمی کا سراپا، اس کے بدن کی ساخت، اس کے اعضا کا تناسب، اس کے چہرے کا رنگ، اس کا اتار چڑھاؤ، اخلاق، جذبات سبھی کچھ اس کے کردار کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس پر نظر ڈالتے ہی ہم اس کے مقام کا تصور کر سکتے ہیں۔ حضرت عباسؑ کے چہرہ اقدس، قد و قامت، خد و خال، چال ڈھال اور وجاہت کا جو عکس صدیوں کے پردوں سے چھن کر ہم تک پہنچا ہے وہ ایک ایسے انسان کا تصور دلاتا ہے جو اخلاق، بصارت، ذہانت، شجاعت، صبر واستقامت، راستی و دیانت داری، اعلیٰ ظرفی فرض شناسی، وقار و انکسار اوصاف حمیدہ کا جامع ہے۔ حضرت عباسؑ خوبیوں کے مرقع تھے۔ آپ کی خوبیوں کو بیان کرنا طاقت قلم سے باہر ہے۔ اگر آپ قرآن مجید کو اول سے آخر تک غور سے پڑھیں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان جو رشتہ ہے اس کی بنیاد 'نفس' ہے۔ اگر آپ ایک اچھے نفس کے مالک ہیں تو آپ ایک اچھے انسان بنیں گے۔ اگر آپ برے نفس کے مالک ہیں تو آپ ایک برے انسان بنیں گے۔ اچھا نفس آپ کو اچھائی کی طرف کھینچے گا۔ اس کے ذریعہ آپ میں زہد و تقویٰ، صبر و استقلال، جاں نثاری، وفاداری، صداقت، عدالت وغیرہ اچھے

اوصاف آئیں گے۔ اگر آپ کا نفس برا ہے تو وہ آپ کو برائی کی طرف کھینچے گا۔ اس سے آپ میں حرام کاری، دروغ گوئی، ناانصافی، دغابازی، فریب، حرص، طمع وغیرہ برائی آئے گی۔ جو شخص خدا کا قانون چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ اس میں بدی آجاتی ہے۔ مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی کا بندہ اور رسولؐ کے سوا کسی کا پیرو نہ ہو۔ مسلمان وہ ہے جو سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم سراسر حق ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔ اس لئے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ خدا کا بندہ ہے نہ کہ انسان کا۔ وہ رسول کا تابعدار ہے نہ کہ انسان کا۔ عمر سعد حضرت امام حسینؑ کی منزلت کو پہچانتا تھا۔ وہ آپ کے زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور خوش اخلاقی و سخاوت سے واقف تھا اس لئے وہ حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنا پسند نہ کرتا تھا اور اس فعل کو گناہ سمجھتا تھا۔ مگر وہ طبیعتاً حریص تھا۔ دنیاوی عیش و آرام کا دلدادہ تھا۔ اسے رَے کی حکومت کا سودا تھا۔ اسے رے کی حکومت بہت عزیز تھی۔ جاہ طلبی اور حق شناسی کے بیچ جنگ ہوئی۔ چونکہ وہ برے نفس کا مالک تھا اس لئے وہ حرص و ہوس کے آگے جھک گیا۔ وہ خدا کا قانون چھوڑ کر اپنے برے نفس کی خواہشات کا غلام بن گیا۔ وہ طمع کے فریب میں آگیا اور ایسی نازیبا حرکت کر بیٹھا کہ قیامت تک کے لئے ذلیل و خوار ہو گیا۔ اس کے برعکس حضرت عباسؑ کی شخصیت ہے۔ شب عاشور شمر ذی الجوشن نے جب حضرت عباسؑ سے امان نامہ کا ذکر کیا اور انہیں عیش و آرام کا لالچ دیا تو حضرت عباسؑ نے کہا کہ ہم ایسے نہیں ہیں کہ ابن زیاد کے زیر سایہ امان کی چھاؤں میں بیٹھیں۔ خدائے غالب و قاہر کی امان ہمارے لئے کافی ہے۔ ہم وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ روز عاشور جب اصحاب حسین ایک ایک کر کے قتل کر دیے گئے تو

حضرت عباس نے اپنے بھائیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرے بہادرو! بڑھو۔تم پر میری جان قربان۔اپنے مولیٰ کی حمایت کرو اور اپنی جان دے دو۔بڑھو۔تا کہ میں اپنی آنکھوں سے خدا اور رسول کے بارے میں تمہاری ہمت دیکھ لوں۔میرے بھائیو! بڑھو۔میں تمہیں خون میں نہاتا دیکھ کر صبر کرنا چاہتا ہوں۔حضرت عباسؑ نے دنیاوی عیش و عشرت اور جاہ طلبی کو ٹھوکر مار کر حق و صداقت کے لئے گلا کٹانا منظور کر لیا۔مگر باطل کے آگے سرخم کرنا بہتر نہ سمجھا کیونکہ آپ پاک نفس کے مالک تھے۔پاک نفس نے حق کا ساتھ دیا، جان کی پرواہ نہیں کی۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہو رہا ہے "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ و اللہ رؤف بالعباد "(آیت ۲۰۷)یعنی لوگوں میں خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر بڑا ہی شفقت والا ہے۔علمائے اسلام اور مفسرین قرآن مجید اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ بالا آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کفار مکہ نے آپسی مشورہ کے بعد رسالت مآبؐ کے قتل کے ارادے سے رسالت مآب کا گھر گھیر لیا تھا۔خدا نے اس بات کی خبر رسالت مآب کو دے دی اور رسالت مآب نے ہجرت کے خیال سے اپنے ابن عم علی مرتضیٰ سے فرمایا کہ کفار مکہ نے مجھے فرش خواب پر مار ڈالنے کا ارادہ کیا ہے۔تم میری جگہ میری عبا اوڑھ کر سو رہو تا کہ لوگ سمجھیں کہ میں سو رہا ہوں اور میں باہر جاتا ہوں۔علی مرتضیٰ نے دریافت کیا "اگر میں سو رہوں اور آپ باہر جائیں تو آپ کو کوئی گزند تو نہیں پہنچے گا ؟" آپ نے فرمایا نہیں۔علی مرتضیٰ نے عرض کیا "میری جان جائے یا رہے آپ کی سلامتی مطلوب ہے" حضرت علی نے سوچا رسول حق ہیں۔رسول جو کہتے ہیں اسے کرنا فرض ہے۔علی بستر

رسول پر اطمینان سے سو گئے۔ قربانی کا یہ جذبہ آپ نے اپنے والد حضرت ابو طالبؑ سے حاصل کیا تھا۔ حضرت ابو طالبؑ بھی رسالت مآبؐ کی جان بچانے کی خاطر شعب ابو طالب میں ہر روز کفار مکہ کے خوف سے کہ کہیں انہیں پتھر اور ڈھیلے پھینک کر زخمی نہ کر دیں اور مار نہ ڈالیں رسالت مآبؐ کے بستر پر اپنے بچوں کو سلا دیتے تھے۔ حضرت عباسؑ نے قربانی کا یہ جذبہ اپنے باپ اور دادا سے حاصل کیا تھا۔ حضرت عباسؑ بھی حضرت امام حسینؑ کے ایسے ہی مطیع و فرماں بردار تھے کہ اپنے جذبات، احساسات، خیالات، خواہشات، رجحانات سب کو امام حسینؑ کا تابع بنا دیا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ حسینؑ حق ہیں۔ حسینؑ کوئی بھی کام احکام خدا اور رسولؐ کے خلاف نہیں کرتے ہیں۔ اسی لئے جو بات امام کہتے تھے اس کی حکم برداری کرتے تھے۔ کوئی بھی کام اپنی مرضی اور طبیعت سے نہیں کرتے تھے۔ حضرت علیؑ جس طرح ہمیشہ رسولؐ کے ساتھ رہے اسی طرح حضرت عباسؑ بھی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہے اور اپنی جان پر حسینؑ کی جان کو ترجیح دیتے رہے۔ حضرت عباسؑ کے ذہن میں اپنے والد کی طرح ہمیشہ یہ بات رہتی تھی کہ میری جان جائے تو جائے مگر حسینؑ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ جنگ صفین کے موقع کا ایک واقعہ ہے۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ جنگ صفین میں ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے ایک صاحبزادے جناب محمد حنفیہ جن کی ماں خولہ بنت جعفر تھیں جنگ کرنے کے بعد پلٹے۔ حضرت علیؑ نے تھوڑی دیر بعد پھر انہیں حکم جہاد دیا۔ محمد حنفیہ نے عرض کیا کہ بابا جان! آپ مجھے حکم جہاد دیتے ہیں اور حسینؑ کو نہیں۔ ارشاد فرمایا "اے بیٹے! تم میرے فرزند ہو اور حسینؑ فرزند رسولؐ ہیں۔ انہیں حکم جہاد کیسے دیا جائے؟ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں اپنے نبیؐ کو کیا منہ دکھاؤں گا"۔ اس کے بعد آپ واقعہ کربلا کو یاد کر کے رونے لگے۔ لیکن جب یہ بات حضرت امام حسینؑ

کو معلوم ہوئی تو آپ جنگی لباس اور ہتھیار سے لیس ہو کر اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگ کی اجازت چاہی۔ مگر حضرت علیؑ نے آپ کو جنگ کی اجازت نہیں دی۔ جب اصرار سید الشہداء حد سے بڑھ گیا تو حضرت علیؑ نے اجازت دے دی۔ حضرت امام حسینؑ عازم جنگ ہوئے۔ حضرت عباسؑ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ حسینؑ دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں تو آپکا دل بے قرار ہو اٹھا۔ غیرت نے گوارا نہ کیا کہ ہم بیٹھے رہیں اور آقا عازم جنگ ہوں۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کمر میں تلوار باندھ لی۔ اگر چہ اس وقت آپ عمر میں بہت کم تھے، لیکن دلیرانہ حیثیت سے امام حسینؑ کا ساتھ دے کر معاویہ کے کثیر التعداد لشکر کو پسپا کر دیا۔

حضرت عباسؑ کے معلم حضرت علیؑ تھے۔ حضرت عباسؑ نے اپنے والد حضرت علیؑ سے علم حاصل کیا تھا۔ حضرت علیؑ کے پاس رسولؐ خدا کے بتائے ہوئے ہزاروں علوم تھے۔ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے رسولؐ خدا نے اس طرح علم بھرایا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچوں کو دانہ بھراتا ہے۔ کبوتر جب اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے تو وہ تمام دانے جو اس کے منہ میں ہوتے ہیں کل کا کل بلا تحلیل بچے کے منہ میں ڈال دیتا ہے۔ پیغمبرؐ خدا جو علم خدا کی طرف سے لے کر آئے تھے حضرت علیؑ نے ان تمام علوم کو پیغمبرؐ خدا سے حاصل کیا تھا۔ دنیائے اسلام جہاں بہت سی باتوں میں بٹی ہوئی ہے اس بات پر اتفاق رکھتی ہے کہ علیؑ سے بڑا کوئی عالم نہیں گزرا ہے۔ علمائے کرام کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اگر علیؑ کو علوم کے مظاہرے کا موقع دیا گیا ہوتا تو دنیا علم کی وسعت کو سنبھال نہ سکتی تھی۔ یہ بات اس طرح بھی صحیح ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے "سلونی قبل ان تفقدونی" جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو قبل اس کے کہ میں دنیا سے اٹھ جاؤں۔ حضرت علیؑ کا علم اس قدر وسیع اور بلند تھا کہ آپ تورات

والوں کو توریت سے، انجیل والوں کو انجیل سے، زبور والوں کو زبور سے اور قرآن والوں کو قرآن سے جواب دیتے تھے۔ حضرت علیؑ نے جو بھی علم پیغمبرؐ خدا سے حاصل کیا تھا ان تمام علوم کو آپ نے بحیثیت اپنے بیٹے عباسؑ کو تعلیم کردی تھی۔

حضرت عباسؑ نے فن حرب اپنے والد سے حاصل کیا تھا۔ حضرت علیؑ فن حرب میں دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ لڑائی کے ہر داؤ پیچ سے خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی دونوں سے واقف تھے۔ آپ کی تعلیم تھی کہ جب میدان جنگ میں جاؤ تو آغاز جنگ سے قبل دانتوں کو مضبوطی سے جمالو اور نیزوں کے اطراف میں پیچ و خم کے ساتھ لپٹے رہو کیونکہ اس طرز سے نیزہ بازی کرنا موثر تر ہے۔ نگاہوں کو نیچا رکھو کیونکہ آنکھوں کا نیچا رکھنا قوت قلب کی زیادتی اور سکون دل کا باعث ہوتا ہے۔ آوازوں کو خاموش کردو اور ہنگامہ آرائی نہ کرو۔ کیونکہ متانت و سنجیدگی خوف کو دور کرتا ہے۔ جب ضرورت آئے تو اپنی ہمت اور دشمنوں کو متاثر کرنے کے لئے رجز پڑھو۔

فن حرب کی سب سے جامع شرط وفاداری ہے۔ جب تک وفاداری نہیں آئے گی جذبہ ایثار نہیں آئے گا۔ وفاداری سے ہی جذبہ ایثار و قربانی پیدا ہوتا ہے۔ ایثار و قربانی اور عزم، یہ وہ طاقت ہے کہ جس انسان میں پیدا ہو جائے وہ ثریا تک پہنچ جائے۔ حضرت عباسؑ نے روز عاشورا اپنے والد کے بتائے ہوئے فن حرب کا استعمال کرتے ہوئے نہایت متانت و سنجیدگی سے یزیدی لشکر سے جنگ کی۔ افسوس کہ آپ کے ہاتھ میں تلوار نہیں تھی۔ اگر تلوار ہوتی تو نہ معلوم آپ کیا کیا جوہر دکھاتے۔ بغیر تلوار کے صرف نیزوں سے آپ نے سینکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور فرات پر قبضہ کرلیا تھا۔

حضرت عباسؑ نے اخلاقیات کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی۔

اخلاق کی تعلیم کا دائرہ بہت وسیع ہے۔اس وسیع دائرے میں وفاداری، قربانی کے ساتھ محبت بھی چھپی ہوئی ہے۔محبت اس کا ایک اہم رکن ہے۔حضرت عباسؑ کی بہادری کا سبب خدااور اس کے رسول اور اس کے اماموں سے بے پناہ محبت تھی۔یہ محبت کا ہی کرشمہ تھا کہ حضرت عباسؑ میں وفاداری آ گئی تھی۔حضرت عباسؑ نے کبھی بھی اپنی جان کو خدا کے دین اور اپنے امام کے حکم سے زیادہ عزیز نہیں رکھا۔آپ نے کبھی بھی دینی معاملات اور احکام امام کے آگے اپنی جان کو نہیں چرایا۔آپ کسی معرکے سے نہیں بھاگے۔آپ کبھی دشمن سے مرعوب نہیں ہوئے۔جب میدان میں گئے ایسی وفاداری دکھائی کہ جم کر لڑے اور دشمنوں کو پسپا کر دیا۔شمر کربلا میں ابن زیاد کی طرف سے حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے نام پروانہ امان لکھا کر لایا تھا۔ اس نے شب عاشور حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کو خیمہ حسینی کے پاس آ کر پکارا۔ حضرت امام حسینؑ نے شمر کی آواز سنی تو عباسؑ اور ان کے بھائیوں کو کہا کہ جا کر دیکھو شمر تمہیں کیوں پکار رہا ہے؟حضرت عباسؑ اور ان کے بھائی امام کے حکم کی تعمیل میں شمر کے پاس گئے۔شمر نے حضرت عباسؑ کو ابن زیاد کا امان نامہ دکھایا۔حضرت عباسؑ نے ابن زیاد کا امان نامہ پڑھا اور اسے بھائیوں کو سنایا۔سبھوں نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ حضرت عباسؑ نے امان نامہ کو چاک کر دیا اور اس کے ٹکڑوں کو زمین پر پھینک دیا اور کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ ہم اپنا ہاتھ امام مظلوم کی نصرت و رفاقت سے اٹھا لیں۔خدا کی قسم ہم سے ایسا نہ ہوگا۔امام مظلوم کے دشمنوں کے سینوں کو اپنے نیزوں کا نشانہ بنائے بغیر نہیں رہیں گے۔شمر نے حضرت عباسؑ کو بہت سمجھایا اور آپ کو لالچ دی کہ اگر تم نے حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دیا تو تمہیں وہ تمام چیزیں دی جائیں گی جسے انسان چاہتا ہے اور جو انسان کی زندگی کے لئے باعث فخر ہے۔دولت و ثروت عہدہ سبھی کچھ ملے گا۔

تم حسینؑ سے علیحدہ ہو جاؤ۔ حسینؑ کا ساتھ دے کر بیکار اپنی جانوں کو ضائع نہ کرو اور یزید کی بیعت و اطاعت اختیار کر لو۔ حضرت عباسؑ نے جواب دیا کہ اے دشمن خدا! تو ہم سے کہتا ہے کہ ہم اپنے آقا کی رفاقت سے ہاتھ اٹھا لیں اور اپنا سر ایک فاسق و فاجر کی اطاعت میں جھکا دیں۔ تو ہمیں امان دیتا ہے۔ لیکن فرزند رسولؐ کے لئے امان نہیں۔ خدا کی قسم ہم امام مظلوم کی خدمت سے ہرگز علیحدہ نہ ہوں گے۔ حضرت عباسؑ شمر کو منہ توڑ جواب دے کر واپس خیمہ حسینیؑ میں لوٹ آتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے دریافت کیا کہ شمر کیا کہتا تھا؟ حضرت عباسؑ نے امام حسینؑ سے ساری باتیں کہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ عباسؑ! تم نے شمر کی بات کیوں نہ مان لی؟ کیوں نہ تم لوگ ادھر چلے گئے؟ میرے پاس رکھا کیا ہے سوائے موت کے۔ حضرت عباسؑ نے امام مظلوم کی بات سن کر فرمایا "آقا! ہماری رگوں میں بھی حیدری خون دوڑ رہا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائیں؟ حضرت عباسؑ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت عباسؑ اپنے بھائی حسینؑ کا ساتھ نہیں دے رہے تھے بلکہ آپ حق اور صداقت کا ساتھ دے رہے تھے۔ آپ امام حسینؑ کی عزت و احترام بحیثیت بھائی نہیں کر رہے تھے بلکہ بحیثیت امام کر رہے تھے اور اسی وجہ سے آپ سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔

حضرت عباسؑ ایک بہت بڑے خطیب تھے۔ آپ نے خطابت کا طریقہ اپنے والد سے سیکھا تھا۔ ایک اچھے خطیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ موقع اور وقت کے حساب سے ایسی بات کرے جو دلوں کو چھو جائے۔ خطابت بھی جہاد کا ایک طریقہ ہے۔ ایک خطیب کے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ حالات کے تقاضے کیا ہیں؟ دشمن کے مقابلے میں یا سامعین کے مقابلے میں اس کی اپنی حیثیت کیا ہے؟ اس

کا دشمن یا اس کے سامعین اس کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟ ایک خطیب کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ سلسلہ کلام کس طرح شروع کرے اور اسے کیسے آگے بڑھائے۔ وہ کس طرح اپنے دشمن یا سامعین کو متاثر کرے۔ کن عوامل کو اختیار کرے کہ اس کے دشمن یا سامعین پر زیادہ سے زیادہ اثر ہو سکے۔ حضرت عباسؑ وعظ اور تقریر کی کثرت سے پرہیز کرتے تھے۔ موقع محل پر ہی آپ خطابت کرتے تھے۔ جب آپ خطابت کرتے تھے تو آپ کی زبان کبھی نسیم سحر کی طرح تو کبھی تیغ برق دم کی طرح متحرک ہو جاتی تھی۔ تقریر کے بعض موقعوں پر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہہ کر قسم کھاتے تھے۔ آپ ایک ایسے خطیب تھے کہ اپنی خطابت سے لوگوں کے دلوں کو ہلا دیتے تھے۔ زمانہ کی کج روی نے حضرت عباسؑ کو ایک پختہ اور تجربہ کار انسان بنا دیا تھا۔ آپ نے چودہ برس اپنے والد کے ساتھ گزارا تھا۔ اس دور میں آپ نے اپنے والد کے تمام سرد و گرم حادثات کو دیکھا۔ حضرت علیؑ کے بعد آپ نے دس برس حضرت امام حسنؑ کے ساتھ گزارا۔ اس زمانہ میں آپ کو امام حسنؑ کے ساتھ ہونے والی تمام فریب کاریاں اور عہد شکنی کا تجربہ ہوا۔ حضرت امام حسنؑ کے بعد آپ نے دس برس حضرت امام حسینؑ کے ساتھ گزارا۔ اس زمانہ میں آپ نے سیاست کی شعبدہ بازیوں کا تجربہ حاصل کیا۔ حضرت عباسؑ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے مکہ آئے اور مکہ سے کربلا۔ آپ حضرت امام حسینؑ اور یزید دونوں کے موقف سے واقف تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے جب آپ کو بعد ظہر اپنے تمام اصحاب واعزہ کی شہادت کے بعد پانی لانے کے لئے فوج اشقیاء میں روانہ کیا تو آپ نے فوج اشقیاء سے یوں خطاب کیا:

''میں عباسؑ ہوں۔ میں امام اور خلیفۃ المسلمین علی مرتضیٰ ابن ابو طالبؑ

کا فرزند ہوں۔ میرا نام عباسؑ ہے۔ تم عباس کے معنی سے واقف ہو۔ عباس کے معنی ترش رو ہوتا ہے۔ عباس کے معنی شیر ہوتا ہے۔ میں منکر اسلام اور دشمنان اہل بیت کے لئے ترش رو ہوں۔ میں تم پر شیر کی مانند حملہ کروں گا اور تمہیں زخمی کروں گا۔ میں انہیں پسند نہیں کرتا جو منکر اسلام اور دشمنان اہل بیت رسولؐ ہیں۔ خانہ کعبہ اللہ کا گھر ہے جس کی تعمیر ہمارے جد امجد ابراہیمؑ نے کی تھی۔ اس گھر کی تعمیر کا مقصد تھا اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت۔ مگر تمہارے جیسے لوگوں نے اس کی شکل بگاڑ دی۔ اپنی طبیعت سے اللہ وحدہ لاشریک لہ کے بجائے انسانوں کے ہاتھ کے بنائے ہوئے لکڑی اور پتھر کے انسانوں اور جانوروں کو پوجنے لگے۔ کوئی دن کے خدا تھے تو کوئی رات کے۔ کوئی صحت مندوں کے خدا تھے تو کوئی معذوروں کے۔ خانہ کعبہ میں آنے جانے والے قافلوں کے پاس صرف نفع کمانے کا تصور تھا۔ ان خداؤں کو بیچا جاتا تھا اور خریدا جاتا تھا۔ خدا کے آخری نبیؐ نے اللہ وحدہ لاشریک لہ کا نعرہ بلند یا۔ منکر اللہ وحدہ لاشریک لہ نے کہا ایک خدا کا ماننے والا خدا کا منکر ہے۔ ان کے رہنما ابولہب، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ اور اس کا داماد ابو سفیان بن حرب تھے۔ جب ابولہب، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، امیہ بن خلف اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ منکر اللہ وحدہ لاشریک لہ مر گئے تو ان کا رہنما ابوسفیان بن حرب بن گیا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس نے دین اسلام کو ختم نہ کیا تو اس کا خدا (بت) اس سے ناراض ہو جائے گا۔ وہ اس پر عتاب نازل کرے گا۔ اس نے کھل کر رسول کریمؐ کی مخالفت کی۔ جب کوئی داؤ نہ چلا تو اپنی جان بچانے کی خاطر ظاہرہ طور پر مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہو کر وہ اسلام کی بیخ کنی کرنے لگا۔ جب کبھی اسے موقع ملا وہ اسلام کو نقصان پہنچانے سے باز نہیں آیا۔ تم جس کی حمایت کر رہے ہو وہ اسی کا پوتا ہے۔ وہ کھلے عام رسول کی برائیاں کرتا ہے۔ وہ کھلے عام رسول کی شریعت کا مذاق

اڑاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے حریفان شراب اٹھو اور گانوں کی صدا سنو۔ شراب پیو اور دوسری باتوں کا ذکر چھوڑو۔ مجھے اذان کی آواز سے زیادہ دلکش ستار اور سارنگی کے نغمے لگتے ہیں۔ وہ ایک بار پھر خانہ کعبہ میں بتوں کو رکھ کر ان کی پرستش کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایک بار پھر خانہ کعبہ کو بتوں کی نجاست وغلاظت سے بھر دینا چاہتا ہے جسے ہمارے نبی کریمؐ نے پاک کیا تھا۔ تم ایسے آدمی کا ساتھ دے رہے ہو جو سراپا کفر ہے۔ کیا تمہیں خدا کا ڈر اور خوف نہیں جس سے عنقریب تمہاری بازگشت ہونے والی ہے۔ تم خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ حسینؑ کس کے فرزند ہیں۔ پس تم پر لازم ہے کہ حسینؑ کی پیروی کرو اور اپنے گندے اور برے ارادوں سے باز آ جاؤ۔ اگر تم نے حسینؑ کو قتل کر دیا تو روز قیامت خدا تمہیں کبھی نہ بخشے گا۔ تم اپنے کیے پر نازاں نہ ہو۔ یہ نہ سوچو کہ تم نے بہت بڑا تیر مار لیا ہے۔ خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ یہ نہ خیال کریں کہ ہم نے جو ان کو مہلت دے رکھی ہے وہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ ہم نے جو مہلت دے رکھی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ وہ اور گناہ کر لیں۔ ان کے لئے ذلت دینے والا عذاب مقرر ہے (سورہ آل عمران آیت ۱۷۸) تم ہرگز اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ اللہ تمہیں گروہ مطمئن میں شمار کرے گا۔ تم طائفہ خبیثین میں شامل ہو۔ عنقریب تم لوگ اپنے کفر کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے عقوبت دوزخ میں گرفتار ہو گے۔ مظلوم امام کو تم لوگوں نے اذیت دینے کے بجائے پتھر چبایا ہوتا تو بہتر تھا۔ خود کو مسلمان کہنے والو تم کیسے مسلمان ہو کہ امام کے خیمے میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں اور سب کی جانیں پیاس سے جا رہی ہیں۔ ساری مشکیں سوکھی پڑی ہیں۔ سارے برتن خالی ہیں۔ امام مظلوم کے بچے مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہیں اور چلا چلا کر رو رہے ہیں۔ ٹھنڈا پانی بہہ رہا ہے مگر افسوس ہے کہ جگر ہائے تشنۂ آل رسولؐ پیاسے ہیں۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس خندہ جبیں، نرم خو اور مہربان طبع تھے۔ آپ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔ کوئی برا کلمہ زبان سے نہیں نکالتے تھے۔ عیب جو اور نکتہ گیر نہ تھے۔ کوئی بات پسند نہ ہوتی تو اس سے اتفاقی فرماتے۔ آپ نے اپنے نفس سے تین چیزوں کو بالکل دور کر دیا تھا۔ اول بحث ومباحثہ۔ دوم ضرورت سے زیادہ بات کرنا۔ اور سوم جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔ آپ بلا ضرورت فضول بات نہیں کرتے تھے۔ لیکن آپ کے کمالات خاص میں یہ بات بھی شامل تھی کہ طرح طرح کی پریشانیوں سے گزرنے کے باوجود لوگوں میں خوب گھلتے ملتے تھے۔ مزاج کی سنجیدگی اپنی جگہ تھی اور تبسم ومزاح اپنی جگہ۔ لوگ جن باتوں پر ہنستے تھے، آپ محض مسکرا دیتے تھے۔ گفتگو میں الفاظ اتنا ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے تھے کہ سننے والا آسانی سے سن لیتا تھا اور سمجھ لیتا تھا۔ آپ کی گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوتی تھی۔ الفاظ نہ ضرورت سے کم نہ زیادہ۔ نہ کوتاہ سخن نہ طویل گفتگو۔ بعض امور میں تصریح سے بات کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے تو کنایہ فرماتے تھے۔ مکروہ، فحش اور غیر حیادارانہ کلمات سے متنفر تھے۔ آپ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ اول کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔ دوم کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے اور سوم کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ انداز بیان میں لب ولہجہ بالکل باپ کی طرح تھا۔ آپ کے جلال کے متعلق نہ معلوم کہاں سے یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ آپ کے روضہ مبارک کے اوپر سے اگر پرندہ پرواز کر جائے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہ بات حضرت عباسؑ کی شایان شان کے خلاف ہے۔ آپ کو خدا کی بنائی ہوئی ہر مخلوق سے پیار تھا۔ روز عاشور آپ کو جہاں اپنی پیاس کا احساس تھا وہیں آپ کو اپنے گھوڑے کی پیاس کا بھی احساس تھا۔ جس وقت آپ نے اپنے چلو میں پانی لیا ہے اس وقت آپ

نے اپنے گھوڑے کی لگام کو بھی ڈھیل دے دی تھی اور اپنے اسپ باوفا سے کہا تھا کہ تو بھی پانی پی لے۔ مگر آپ کا گھوڑا بھی اپنے مالک کی طرح خوددار اور وفادار تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ میرا مالک پانی نہیں پیتا اور پانی کو چلو میں لے کر پھینک دیا ہے تو اس نے بھی اپنا منہ پانی کی طرف سے پھیر لیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ کا جلال میدان جنگ میں دشمنوں کیلئے ایک جری قتال تھا۔ اس وقت آپ کے چہرے سے ایسی وجاہت وشہامت کا اظہار ہوتا تھا کہ دیکھنے والوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔

حضرت عباسؑ کا شمار تاریخ کے ان منفرد لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے روز اول سے ہی کامل بنا دیا تھا۔ آپ کو اللہ کی عبادت کا شغف تھا۔ رات کا بیشتر حصہ مناجات ونوافل میں گزارتے تھے۔ خوف خدا سے اس قدر روتے تھے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی تھی۔ اعلیٰ وادنیٰ سب سے یکساں طور پر خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ غلاموں سے، غریبوں سے، ناداروں سے، مفلسوں سے عزیزوں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ خود بینی اور خودنمائی سے نفرت کرتے تھے۔ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کی طبیعت میں ذرا بھی تصنع اور بناوٹ نہیں تھا۔ ہر دم حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لئے کھڑے رہتے تھے۔ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے تھے۔ دینی معاملات میں سختی برتتے تھے اور حق وصداقت پر کمربستہ رہتے تھے۔ جب بھی آپ امامت کے فرائض انجام دیتے تو اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ امامت ایسی ہو کہ لوگ نماز سے بیزار نہ ہو جائیں۔ اور ایسی امامت بھی نہ ہو کہ نماز کا کوئی رکن ضائع ہو جائے۔ امامت کے وقت اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ نماز میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ تندرست بھی، بیمار بھی اور ضرورت مند بھی۔

❁❁❁❁❁

باب-۸

علیؑ کے بیٹے حضرت عباسؓ کا مدفن

اس باب میں ہم

حضرت عباسؓ کے مدفن مقدس اور

روضۂ اطہر کے متعلق گفتگو کریں گے

مدفن مقدس:

مدفن اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں مرنے والے کو سپرد خاک کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بعد جنگ کربلا یزید کے لشکریوں نے اپنے مقتولین کی لاشوں کو تو دفن کر دیا مگر فرزند رسول اور دیگر شہداء حق کی لاشوں کو یونہی بے گور وکفن ریت پر چھوڑ دیا۔ ان شہداء راہ حق کے دفن کا اہتمام مالک کون ومکاں نے کیا۔ ایک قبر کھودی گئی جس میں حضرت امام حسینؑ دفن ہوئے۔ دوسری قبر میں حضرت امام حسینؑ کے صاحبزادے علی اکبر دفن ہوئے۔ تیسری قبر میں حبیب ابن مظاہر دفن ہوئے۔ چوتھی قبر میں تمام شہدا دفن ہوئے اور پانچویں قبر فرات کے کنارے تیار کی گئی جس میں حضرت عباسؓ دفن ہوئے۔ حضرت عباسؓ کی قبر مطہر تمام شہدا کی قبر سے قدرے ہٹ کر ہے۔ اس دوری کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ فرات کے کنارے ہے اور اسے احتراماً وہاں پر دفن کیا گیا ہے کہ رہتی دنیا تک فرات کے کنارے ایک پیاسے کا قبضہ رہے گا جو یاد دلاتا رہے گا کہ مظلوم امام کے پیاسے بچوں کے لئے یہ شخص پانی لانے گیا تھا۔ اس شان اور یاد کو باقی رکھنے کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے۔

شہدائے کربلا کے ساتھ ایک عجیب بات دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ کہ دنیا میں ہر شخص کا مدفن ایک ہوتا ہے۔ مگر شہدائے کربلا کے ساتھ یہ ہے کہ کہیں جسم دفن ہے تو کہیں سر اقدس۔ حضرت عباسؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ کا جسم اقدس تین جگہ دفن ہے۔ ایک جگہ وہ جہاں آپ کا جسم پاش پاش دفن ہے۔ دوسری جگہ وہ جہاں تھوڑی دور پر ہاتھ دفن ہے۔ اور تیسری جگہ وہ جہاں سر اقدس دفن ہے۔ علامہ محسن الامین کی تحقیق ہے کہ تمام شہداء کے سر دمشق کے قبرستان باب الصغیر میں دفن ہیں حبیب السیر کی تحقیق ہے کہ امام زین العابدین تمام سروں کو اپنے ہمراہ دمشق سے کربلا

لائے تھے اور وہیں جسموں سے ملحق فرما دیا۔ تاریخی اعتبار سے کسی ایک بات پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک بحث کا موضوع ہے۔ مگر زیادہ تر تحقیق بتاتی ہے اور لوگوں کا اجماع اس بات پر ہے کہ حضرت امام زین العابدین قید سے رہائی کے بعد تمام سروں کو اپنے ہمراہ دمشق سے کربلا لائے اور وہیں جسموں سے ملحق فرما دیا۔ بہرکیف یہ ضرور ہے کہ حضرت عباسؑ کا جسم اقدس اس مقام پر دفن ہے جہاں روضہ اقدس ہے۔

روضہ مطہر:

روضہ اس عمارت کو کہتے ہیں جس کے نیچے کسی عظیم شخصیت خاص طور پر دینی اور مذہبی بزرگ کی قبر ہو۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو موت کے بعد بھی قابل احترام ہوتے ہیں۔ وہ زندگی میں بھی قابل احترام ہوتے ہیں اور موت کے بعد بھی۔ ایسے لوگوں کے مزارات اور روضوں کو دیکھنے سے دل و دماغ دونوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ اس سے انسان فرحت محسوس کرتا ہے۔ اس سے ایمان کی شمعیں منور ہوتی ہیں۔ جس طرح خانہ کعبہ کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے اسی طرح ان مزارات مقدسہ کی طرف نگاہ کرنا بھی عبادت ہے۔ ہم نے خدا کو پہچانا ہے انبیاء کے قول و اقوال اور ان کے اعمال حسنہ سے۔ ہم نے خدا کو پہچانا ہے انبیاء، ائمہ اور خدا کے چند برگزیدہ بندوں کی قربانیوں سے۔ اگر ہمارے سامنے انبیاء اور خدا کے برگزیدہ بندوں کی داستان حیات کارنامے، قربانیاں اور اعمال حسنہ نہیں ہوتے تو ہم راہ راست سے بھٹک جاتے۔ ہم نیچے گر جاتے۔ ہم میں وحشت اور درندگی آجاتی۔ ہم سرکش بن جاتے۔ لہٰذا اخلاق کی رو سے ہر انسان کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ان عظیم شخصیتوں اور بزرگوں کی قربانیوں، اعمال حسنہ اور کارناموں کو یاد کر کے ان کے مقبروں کی زیارت کرے۔ زیارت نہ کرنا بے توجہی کی دلیل ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوگا کہ ہم ان کی قربانیوں اور

کارناموں کو بھول گئے ہیں۔اس بے توجہی سے ہم میں بے راہ روی آ سکتی ہے۔ہم بھٹک سکتے ہیں اور گمراہ ہو سکتے ہیں۔حضرت رسولؐ کا ارشاد ہے کہ زیارت سے روکنے والے امت کے شرارے ہیں۔انہیں نہ میری شفاعت نصیب ہو سکتی ہے اور نہ وہ حوض کوثر پر وارد ہو سکتے ہیں۔

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد شہدائے کربلا کے مقبروں اور روضوں سے متعلق بہت تغیرات رونما ہوئے ہیں۔سب سے پہلے پہلی صدی ہجری میں بنی امیہ کے دور حکومت میں صحابی علی مرتضیٰ مالک اشتر کے پوتے محمد بن ابراہیم بن مالک اشتر نے ایک مختصر حجرہ حضرت عباس اور دیگر شہدائے کربلا کی قبر اطہر پر تعمیر کرایا تھا۔لیکن ان حجروں اور نشانیوں کو تھوڑے ہی عرصے بعد حکومت نے مٹا دیا۔دوسری صدی ہجری میں خلیفہ عباسی ہارون رشید (۱۷۲ھ تا ۱۹۳ھ) نے شہدا کی قبروں کے نشانات مٹا کر ان پر ہل چلوا دیئے۔تیسری صدی ہجری میں خلیفہ عباسی متوکل علی اللہ بن معتصم (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) نے ۲۳۶ ہجری میں حضرت امام حسینؑ کے مزار مبارک اور اس کے گرد کے تمام مقابر منہدم کرا کے وہاں کھیتی کرادی اور زیارت کو ممنوع قرار دے دیا۔اس نے چاہا کہ فرات کا منہ موڑ کر شہداء کی قبروں کو پانی میں ڈبو دیا جائے ،مگر اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔فرات کا پانی قبر مطہر تک نہ آ سکا۔ خلیفہ متوکل اہل بیت رسولؐ کا سخت دشمن تھا۔اس کی دشمنی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ یعقوب بن سکیت متوکل کے لڑکوں معتز اور موئید کے استاد تھے۔ایک روز متوکل نے اپنے دونوں لڑکوں کی طرف اشارہ کر کے یعقوب سے سوال کیا کہ ''تمہارے نزدیک یہ دونوں اچھے اور محبوب ہیں یا حسنؑ اور حسینؑ۔ یعقوب نے جواب دیا کہ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ان دونوں سے تو کہیں بہتر

حضرت علی کا غلام قنبر ہے۔ یہ سن کر متوکل اس قدر برہم ہوا کہ اس نے اپنے فوجیوں کو حکم دے کر یعقوب بن سکیت کو اس قدر پٹوایا کہ وہ جاں بحق ہو گئے۔ (یہ واقعہ ۲۴۳ھ کا ہے) چوتھی صدی میں آل ایوب یعنی صلاح الدین بن یوسف بن ایوب کے دور حکومت میں اور اس کے بعد اس کے وارثوں کے دور حکومت میں حکمرانوں نے زائرین پر پابندی عائد کر دی تھی اور جو بھی زیارت کو جاتا تھا اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس کے دور حکومت میں بھی بار بار قبروں کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔ پانچویں، چھٹی، ساتویں، آٹھویں، نویں، دسویں، گیارہویں، بارہویں، تیرہویں اور چودہویں غرض ہر صدی میں شہدائے کربلا کی قبروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور اسے منہدم کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ لیکن ان ہی میں سے کچھ خاصان خدا ایسے بھی پیدا ہوئے جنہوں نے کربلا میں عزائے امام مظلوم کی عام اجازت دی اور نوحہ و ماتم وسوگواری کو ترقی دی۔ اور ایام عزا میں بازار بند کرائے۔ جب جب روضہ ہائے مقدسہ کو مسمار کرنے کی کوشش کی گئی کوئی نہ کوئی بندہ خدا اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے روضہ ہائے مقدسہ کی از سر نو تعمیر کی اور شہدائے کربلا کے مزاروں کو خوبصورت سے خوبصورت تر بنانے کی کوشش کرتے رہے۔

جو بھی دنیا اور آخرت چاہتا ہے اسے چاہئے کہ بانی اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ان مزارات مقدسہ کی زیارت کرے جنہوں نے اسلام کی بقا کی خاطر ہر طرح کا ظلم وجور اور جفا کو برداشت کیا اور اپنے اہل وعیال کی قربانی دی۔ اگر اس میں اتنی استطاعت نہ ہو کہ وہ ان مقامات مقدسہ میں حاضر ہو سکے تو اسے چاہئے کہ وہ دور سے ہی جہاں وہ رہتا ہے زیارت پڑھ لے اور جان وقلب کو سکون دے۔

ان مزارات مقدسہ کا لوگوں کے دلوں میں اتنا احترام ہوتا ہے کہ جب کوئی گنہگار اور

مجرم اس میں پناہ لیتا ہے تو دشمن بھی اسے معاف کر دیتا ہے۔ ان مزارات مقدسہ میں جو بھی پناہ لے لیتا ہے وہ امان میں آجاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی گناہگاروں کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور اسے اپنے عذاب و عتاب سے دور کر دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسالت مآب ﷺ کی زیارت کرے بروز قیامت اس کی شفاعت بذمہ آں حضرت ہوگی اور جس کی آں حضرت شفاعت فرمائیں گے وہ ضرور جنتی ہے۔ ایسا ہی اجر و ثواب ائمہ معصومین علیہم السلام اور حضرت فاطمۃ الزہرا سیدۃ النساء العالمین سلام اللہ علیہا اور شہدائے کربلا کے مشاہد مقدسہ کی زیارت میں ہے۔ غسل کرنا، پاک و پاکیزہ لباس پہننا، خوشبو لگانا اور خضوع و خشوع اور رجوع قلب سے انگشت شہادت سے اشارہ کر کے روضہ مقدس کی طرف منہ کر کے زیارت پڑھنا آداب زیارت میں داخل ہے۔
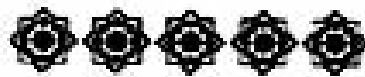
زیارت

علی کے بیٹے حضرت عباس کی سوانح ختم ہوئی۔ گرچہ میری صلاحیت

ایسی نہیں کہ میں ایسی عظیم ہستی کے متعلق کچھ لکھتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور چہاردہ

معصومین علیہ السلام کی خیر و برکت سے یہ کام بخوبی انجام پا گیا۔ بارگاہ الٰہی میں دعا

ہے کہ اللہ تعالیٰ چہاردہ معصومینؑ کے صدقے میں میرے گناہوں کو بخش دے اور ان

لوگوں کو عقل سلیم عطا فرمائے جو واقعۂ کربلا کو حق و باطل کی جنگ کے بجائے دو

شہزادوں کی جنگ کہہ کر اس کی اہمیت کو کم کرتے ہیں۔

اے رب العالمین! میری دعا کو شرف قبولیت عطا فرما اور ان لوگوں کو

اجر عظیم عطا فرما جو اس کتاب کا مطالعہ کریں۔ آمین!

علماء کہتے ہیں کہ جب کوئی زائر حضرت عباس کے روضہ مبارک میں داخل ہو تو پہلے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ سلام پڑھے۔

در زیارت حضرت عباس بن علی بن ابی طالب علیہم السلام است، شیخ اجل جعفر بن قولویہ قمی بسند معتبر از ابوحمزہ ثمالی روایت کردہ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرمود اگر خواستی زیارت کنی قبر عباس بن علی علیہ السلام را کہ آن بر کنار فرات محاذی حایر است، می ایستی بر در روضہ و می گوئی:

سَلامُ اللهِ وَسَلامُ مَلائِكَتِهِ الْمُقَرَّبِينَ، وَاَنْبِيائِهِ الْمُرْسَلِينَ،
وَعِبادِهِ الصّالِحِينَ، وَجَمِيعِ الشُّهَداءِ وَالصِّدِّيقِينَ، وَ
الزّاكِياتُ الطَّيِّباتُ، فِيما تَغْتَدِي وَتَرُوحُ، عَلَيْكَ يَا بْنَ
اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، اَشْهَدُ لَكَ بِالتَّسْلِيمِ وَالتَّصْدِيقِ، وَالْوَفاءِ
وَالنَّصِيحَةِ، لِخَلَفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ الْمُرْسَلِ،
وَالسِّبْطِ الْمُنْتَجَبِ، وَالدَّلِيلِ الْعالِمِ، وَالْوَصِيِّ الْمُبَلِّغِ،
وَالْمَظْلُومِ الْمُهْتَضَمِ، فَجَزاكَ اللهُ عَنْ رَسُولِهِ وَعَنْ
اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، وَعَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ صَلَواتُ اللهِ
عَلَيْهِمْ، اَفْضَلَ الْجَزاءِ بِما صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ وَاَعَنْتَ،
فَنِعْمَ عُقْبَى الدّارِ، لَعَنَ اللهُ مَنْ قَتَلَكَ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ
جَهِلَ حَقَّكَ وَاسْتَخَفَّ بِحُرْمَتِكَ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ حالَ
بَيْنَكَ وَبَيْنَ ماءِ الْفُراتِ، اَشْهَدُ اَنَّكَ قُتِلْتَ مَظْلُوماً،

وَاَنَّ اللّٰهَ مُنْجِزٌ لَكُمْ مَا وَعَدَكُمْ، جِئْتُكَ يَا ابْنَ اَمِيْرِ

الْمُؤْمِنِيْنَ وَافِدًا اِلَيْكُمْ، وَقَلْبِيْ مُسَلِّمٌ لَكُمْ وَتَابِعٌ، وَاَنَا

لَكُمْ تَابِعٌ، وَنُصْرَتِيْ لَكُمْ مُعَدَّةٌ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ

الْحَاكِمِيْنَ، فَمَعَكُمْ مَعَكُمْ لَا مَعَ عَدُوِّكُمْ، اِنِّيْ بِكُمْ وَبِاِيَابِكُمْ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَبِمَنْ خَالَفَكُمْ وَقَتَلَكُمْ مِنَ الْكَافِرِيْنَ

قَتَلَ اللّٰهُ اُمَّةً قَتَلَتْكُمْ بِالْاَيْدِيْ وَالْاَلْسُنِ. پھر داخل روضہ ہو
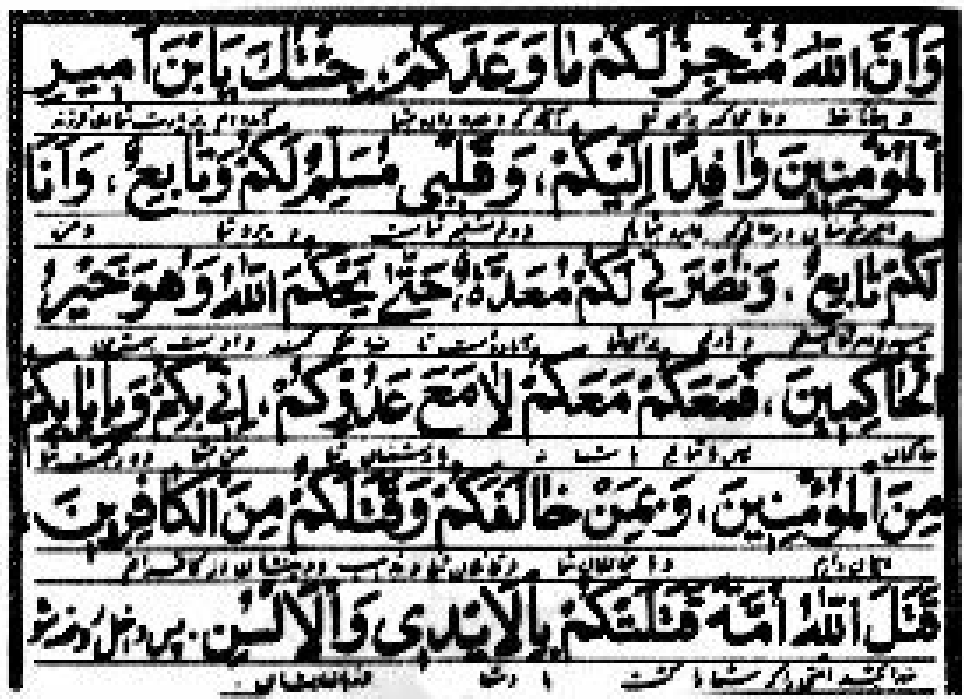
سلام خداوند عالم کا اور فرشتگان مقرب کا، نیز انبیاء و مرسلین اور اس کے نیکوکار بندوں کا، جملہ شہداء و صدیقین کا، پاک و پاکیزہ افراد کا ہر صبح و شام، اے فرزند امیر المؤمنین۔ میں آپ کے لیے گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی مرسل ﷺ کے جانشیں، تسلیم و تصدیق اور وفا و نصیحت کے پیکر تھے۔ وہ جانشیں جو برگزیدہ اور آپ کے نواسے تھے، وہ رہنما، دانا اور دانشور تھے۔ وہ وصی و مبلغ تھے۔ وہ مظلوم اور ستم رسیدہ تھے۔ خداوند عالم اپنے رسول، امیر المؤمنین، امام حسن، امام حسین (ان سب پر درود و سلام ہو) کی طرف سے آپ کو جزا عنایت فرمائے اس صبر اور اس حساب کے عوض جس کو آپ نے خدا پر چھوڑا، اس رنج کے عوض جس کو آپ نے کربلا کے میدان میں برداشت کیا۔ خداوند عالم آپ کو تمام ایثار کے لیے بہترین جزا عنایت فرمائے۔ یقیناً آپ نے کیا ہی اچھا گھر حاصل کیا۔ خداوند عالم اس پر لعنت کرے جس نے آپ کو قتل کیا، جس نے آپ کے مرتبہ کو نہ جانا اور جس نے آپ کے احترام کا حق ادا نہیں کیا جو آپ کے اور آب فرات کے مابین حائل ہوا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ مظلوم قتل

کیے گئے۔ خدا نے آپ کے متعلق جو وعدہ کیا ہے یقیناً پورا کرے گا۔ اے فرزند امیر المومنین میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ میرا دل آپ کے حکم کا مطیع اور فرماں بردار ہے۔ میں آپ کے حکم کا پیرو ہوں۔ میری مدد آپ کے لیے آمادہ ہے۔ بس حکم خدا کا انتظار ہے اور وہ بہترین حکم دینے والا ہے۔ میں آپ کے ساتھ آپ کے ہمراہ ہوں۔ آپ کے دشمن کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں آپ کی رجعت کا ایمان رکھتا ہوں۔ جنہوں نے آپ کو قتل کیا اور آپ کی مخالفت کی ان کو کافروں میں شمار کرتا ہوں۔ خداوند عالم ان لوگوں کو قتل کرے جنہوں نے آپ کو اپنے ہاتھ اور زبان سے قتل کیا۔

مذکورہ بالا سلام پڑھنے کے بعد روضہ اطہر میں داخل ہو اور خود کو حضرت کی ضریح سے چسپاں کردے اور یہ زیارت پڑھے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْمُطِيعُ
لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِاَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَسَلَّمَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ
وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ وَرِضْوَانُهُ، وَعَلَى رُوحِكَ وَ
بَدَنِكَ، اَشْهَدُ وَاُشْهِدُ اللّٰهَ اَنَّكَ مَضَيْتَ عَلَى مَا مَضَى
بِهِ الْبَدْرِيُّونَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الْمُنَاصِحُونَ
لَهُ فِي جِهَادِ اَعْدَائِهِ، الْمُبَالِغُونَ فِي نُصْرَةِ اَوْلِيَائِهِ،
الذَّابُّونَ عَنْ اَحِبَّائِهِ، فَجَزَاكَ اللّٰهُ اَفْضَلَ الْجَزَاءِ وَاَكْثَرَ

اَلْجَزَاءِ، وَاَوْفَرَ الْجَزَاءِ، وَاَوْفىٰ جَزَاءِ اَحَدٍ مِمَّنْ وَفىٰ
بِبَيْعَتِهِ، وَاسْتَجَابَ لَهُ دَعْوَتَهُ، وَاَطَاعَ وُلاَةَ اَمْرِهِ،
اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَالَغْتَ فِي النَّصِيْحَةِ، وَاَعْطَيْتَ غَايَةَ
الْمَجْهُوْدِ، فَبَعَثَكَ اللّٰهُ فِي الشُّهَدَاءِ، وَجَعَلَ رُوْحَكَ
مَعَ اَرْوَاحِ السُّعَدَاءِ، وَاَعْطَاكَ مِنْ جِنَانِهِ اَفْسَحَهَا
مَنْزِلاً، وَاَفْضَلَهَا غُرَفاً، وَرَفَعَ ذِكْرَكَ فِي عِلِّيِّيْنَ، وَ
حَشَرَكَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ
وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقاً، اَشْهَدُ اَنَّكَ لَمْ تَهِنْ وَلَمْ تَنْكُلْ
وَاَنَّكَ مَضَيْتَ عَلىٰ بَصِيْرَةٍ مِنْ اَمْرِكَ، مُقْتَدِياً
بِالصَّالِحِيْنَ، وَمُتَّبِعاً لِلنَّبِيِّيْنَ، فَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ
وَبَيْنَ رَسُوْلِهِ وَاَوْلِيَائِهِ فِي مَنَازِلِ الْمُخْبِتِيْنَ، فَاِنَّهُ
اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ . مؤلف کو دعا کر خوب یہی زیارت لے پشت سر قبر رو بہ

اے نیک اور صالح بندے آپ پر سلام ہو۔ آپ نے خداوند عالم،
حضرت رسول خدا اور حضرت امیر المومنین، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کی
اطاعت فرمائی۔ آپ پر، آپ کی روح پر اور جسم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام
ہو۔ رحمتیں بھی، برکتیں بھی، مغفرتیں بھی اور خوشنودیاں بھی۔ میں خدا کو گواہ بنا کر
شہادت دیتا ہوں کہ آپ جہاد اور شہادت کے اسی راستے پر گامزن رہے جس پر

اصحاب بدر اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے لوگ گامزن رہے، جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں مخلص تھے۔ اولیاء خدا کی بھرپور طریقے سے مدد و نصرت کرنے والے تھے اور خدا دوست داروں کی طرف سے عمدہ دفاع کرنے والے تھے۔ خداوند عالم آپ کو سب سے بہتر، سب سے زیادہ، سب سے کامل اور جن جن لوگوں کو وفاداری کرنے اور آواز پر لبیک کہنے، ولی امر کی اطاعت کرنے کی جزا دی ہو ان سب سے افضل و برتر جزا عطا فرمائے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے بھرپور اخلاص دکھایا اور اپنی جد و جہد کو آخری حد تک پہنچا دیا۔ لہذا بارگاہ معبود میں میری دعا ہے کہ خداوند عالم آپ کو شہدا کے ساتھ محشور کرے۔ آپ کی مقدس روح کو سعادت مند ارواح کے ساتھ رکھے جنت میں۔ آپ کو سب سے زیادہ وسیع جگہ اور سب سے اعلیٰ رہائش گاہ عطا کرے۔ آپ کے تذکرے کو بلند مرتبہ لوگوں کے تذکروں کے درمیان بھی سب سے برتر رکھے۔ اور آپ کا حشر و نشر پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور خدا کے صالح بندوں کے ساتھ ہو جن کی رفاقت سب سے عمدہ ہوگی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نہ کسی قسم کی کمزوری دکھائی اور نہ پیچھے ہٹے۔ آپ پوری بصیرت کے ساتھ صالح انسانوں کے قدم بہ قدم اور انبیائے کرام کے اتباع میں قدم آگے بڑھاتے رہے۔ خداوند عالم بحق محمد و آل محمد ہم لوگوں کو آپ حضرات اور حضرت رسول خدا اور ان کے اولیاء کے ساتھ جنت کے ان منازل میں جگہ دے جو اس نے اپنے خالص عبادت گزار بندوں کے لیے رکھی ہے۔ بے شک وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

زیارت حضرت عباس کا یہی طریقہ اکثر رواتیوں میں مذکور ہے۔ لیکن سید ابن طاؤس اور شیخ مفید اور دیگر علماء نے بھی اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے کہ روضہ

میں داخل ہونے کے بعد ضریح کے سرہانے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھیں۔ اس
نماز میں خدا کو خوب یاد کریں اور بعد نماز یہ دعا پڑھیں۔

قبلہ بخوان چنانچہ شیخ در تہذیب فرمودہ، و ثُمَّ اُدْخُلْ فَانْكَبَّ عَلَى الْقَبْرِ وَقُلْ
وَاَنْتَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ، وَلَا تَدَعْ لِيْ فِيْ هٰذَا
الْمَكَانِ الْمُكَرَّمِ وَالْمَشْهَدِ الْمُعَظَّمِ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ، وَلَا
هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ، وَلَا مَرَضًا اِلَّا شَفَيْتَهٗ، وَلَا عَيْبًا اِلَّا سَتَرْتَهٗ
وَلَا رِزْقًا اِلَّا بَسَطْتَهٗ، وَلَا خَوْفًا اِلَّا اٰمَنْتَهٗ، وَلَا شَمْلًا اِلَّا
جَمَعْتَهٗ، وَلَا غَائِبًا اِلَّا حَفِظْتَهٗ وَاَدْنَيْتَهٗ، وَلَا حَاجَةً مِنْ
حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، لَكَ فِيْهَا رِضًى وَلِيَ فِيْهَا صَلَاحٌ
اِلَّا قَضَيْتَهَا، يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ. پس برگرد بسوی ضریح و نزد پا بایست و بگو،

اے خدا! محمد اور آل محمد پر سلام ہو۔ اس مکان مکرم اور مرقد عظیم کے
پاس میں کھڑا ہوں۔ اب میری تجھ سے یہی فریاد ہے کہ میرے تمام گناہوں کو معاف
فرما دے اور مجھے غم سے نجات دے۔ (اے خدا) مجھے مرض سے شفا عطا فرما اور
میرے عیب پر پردہ ڈال دے، میرے رزق کو کشادہ فرما، میرے خوف کو امن سے
بدل دے مجھے حوادث زمانہ سے محفوظ فرما، غیبت میں میری حفاظت فرما اور اپنی قربت
عطا فرما۔ میری دنیا و آخرت کی حاجت کو قبولیت کا درجہ عطا فرما خاص کر ان حاجتوں
کو جن میں تیری رضا اور میرے حال کے مناسب ہو ان کو قبول فرما۔ اے دونوں
جہان میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

مذکورہ بالا دعا پڑھنے کے بعد خود کو ضریح پر گرا دے اور حضرت کی ضریح

کے پائیں کھڑے ہو کر یہ سلام پڑھے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا الْفَضْلِ الْعَبَّاسَ بْنَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بْنَ سَيِّدِ الْوَصِيِّيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بْنَ

اَوَّلِ الْقَوْمِ اِسْلَامًا، وَاَقْدَمِهِمْ اِيْمَانًا، وَاَقْوَمِهِمْ بِدِيْنِ

اللّٰهِ، وَاَحْوَطِهِمْ عَلَى الْاِسْلَامِ، اَشْهَدُ لَقَدْ نَصَحْتَ لِلّٰهِ

وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَخِيْكَ، فَنِعْمَ الْاَخُ الْمُوَاسِيْ، فَلَعَنَ اللّٰهُ

اُمَّةً قَتَلَتْكَ، وَلَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً ظَلَمَتْكَ، وَلَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً

اسْتَحَلَّتْ مِنْكَ الْمَحَارِمَ، وَانْتَهَكَتْ حُرْمَةَ الْاِسْلَامِ،

فَنِعْمَ الصَّابِرُ الْمُجَاهِدُ الْمُحَامِي النَّاصِرُ وَالْاَخُ الدَّافِعُ عَنْ اَخِيْهِ

الْمُجِيْبُ اِلٰى طَاعَةِ رَبِّهٖ، اَلرَّاغِبُ فِيْمَا زَهِدَ فِيْهِ غَيْرُهٗ،

مِنَ الثَّوَابِ الْجَزِيْلِ، وَالثَّنَاءِ الْجَمِيْلِ، وَاَلْحَقَكَ اللّٰهُ

بِدَرَجَةِ اٰبَائِكَ فِيْ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ تَعَرَّضْتُ

لِزِيَارَةِ اَوْلِيَائِكَ، رَغْبَةً فِيْ ثَوَابِكَ، وَرَجَاءً لِمَغْفِرَتِكَ

وَجَزِيْلِ اِحْسَانِكَ، فَاَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ

اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ، وَاَنْ تَجْعَلَ رِزْقِيْ بِهِمْ دَارًّا، وَعَيْشِيْ

بِهِمْ قَارًّا، وَزِيَارَتِيْ بِهِمْ مَقْبُوْلَةً، وَحَيَاتِيْ بِهِمْ طَيِّبَةً،

وَاَدْرِجْنِيْ اِدْرَاجَ الْمُكْرَمِيْنَ، وَاجْعَلْنِيْ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ مِنْ

زِيَارَةِ مَشَاهِدِ اَحِبَّائِكَ مُفْلِحًا مُنْجِحًا، قَدِ اسْتَوْجَبَ

غُفْرَانَ الذُّنُوبِ، وَسَتْرَ الْعُيُوبِ، وَكَشْفَ الْكُرُوبِ، إِنَّكَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ۔

سلام ہو آپ پر اے ابوالفضل العباس بن امیر المومنین۔ سلام ہو آپ پر اے فرزند سید الاولیاء۔ سلام ہو آپ پر اے اس کے لال جو قوم میں سب سے پہلا مسلمان، ایمان میں سب سے آگے، دین خدا میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور اسلام کا سب سے بڑا محافظ تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ، رسول اور اپنے بھائی کے ساتھ اخلاص برتا اور آپ اپنے بھائی کے بہترین مددگار ہیں۔ اللہ اس قوم پر لعنت کرے جس نے آپ کو قتل کیا، آپ پر ظلم کیا اور آپ کے بارے میں حرام خدا کو حلال سمجھ لیا اور آپ کے قتل سے اسلام کی خدمت کو ضائع کر دیا۔ آپ بہترین صبر کرنے والے مجاہد، محافظ اور مددگار بھائی تھے جس نے اپنے بھائی کے لیے دفاع کیا اور اطاعت خدا میں لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے اور اس ثواب کی رغبت پیدا کی جس سے دوسرے لوگوں نے کنارہ کشی کی۔ آپ نے بہترین ثنا حاصل کر لی۔ اللہ آپ کو آپ کے بزرگوں کے درجے تک پہنچا دے۔ خدایا ! میں تیرے لیے حاضر ہوا ہوں اور تیرے اولیاء کی زیارت کا قصد کیا ہے۔ تجھ سے ثواب کا طلب گار ہوں۔ تیری مغفرت اور تیرے احسانات کا امیدوار ہوں۔ خدایا! محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما اور ان کے ذریعہ میرے رزق کو مسلسل فرما دے۔ اور میری زندگی کو پرسکون کر دے۔ میری زیارت کو مقبول بنا دے اور میرے گناہوں کو مغفور بنا دے۔ مجھے کامیابی کے ساتھ واپس فرما اس طرح کہ میری دعا مقبول ہو اور میں ویسے واپس جاؤں جس بہترین طریقے سے یہاں کے زائرین اور یہاں آنے والوں میں کوئی بھی واپس گیا ہو تیری رحمت کے سہارے اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

زیارت کے بعد حضرت کے روضہ سے رخصت ہو تو یہ دعا پڑھے:

أَسْتَوْدِعُكَ اللّٰهَ وَأَسْتَرْعِيكَ وَأَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ، آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ وَبِكِتَابِهِ وَبِمَا جَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ، اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ آخِرَ الْعَهْدِ مِنْ زِيَارَتِي قَبْرَ ابْنِ أَخِي رَسُولِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَارْزُقْنِي زِيَارَتَهُ أَبَدًا مَا أَبْقَيْتَنِي، وَاحْشُرْنِي مَعَهُ وَمَعَ آبَائِهِ فِي الْجِنَانِ، وَعَرِّفْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ رَسُولِكَ وَأَوْلِيَائِكَ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَتَوَفَّنِي عَلَى الْإِيمَانِ بِكَ، وَالتَّصْدِيقِ بِرَسُولِكَ، وَالْوِلَايَةِ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَالْأَئِمَّةِ مِنْ وُلْدِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَالْبَرَاءَةِ مِنْ عَدُوِّهِمْ، فَإِنِّي قَدْ رَضِيتُ يَا رَبِّي بِذٰلِكَ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ. پس دعا کن برای خود و دیگری

میرے آقا میں آپ سے رخصت ہو رہا ہوں اور آپ کو خدا کے حوالے کر رہا ہوں۔ آپ پر سلام۔ رخصت کے لیے حاضر ہوں۔ ہم اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور جو بھی اس کی طرف سے آیا سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ خدایا تو ہمیں شاہد اور گواہ میں داخل فرما۔ اے خدا اپنے رسول کے بھائی کے فرزند کی زیارت کو میری زندگی کی آخری زیارت نہ قرار دے۔ جب تک تو نے حیات عطا کی ہے ہمیشہ زیارت سے مشرف فرما۔ ہمیں ان کے آباو اجداد کے ساتھ جنت میں محشور فرما۔

مجھ حقیر کی رسول اور اولیا کے درمیان شناسائی فرما۔ خدایا! محمد وآل محمد پر درود ہو۔ خدایا! تیری ذات، تیرے رسول کی تصدیق، حضرت علی بن ابی طالب اور آئمہ پر (جو ان کی اولاد سے ہیں، ان سب پر سلام ہو) میرے ایمان کے ساتھ میری موت ہو۔ میں ان کے دشمن سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں اس لیے کہ اے میرے رب یہ چیزیں جو تو نے ہمیں عطا کی ہیں اس پر میں خوش ہوں۔ اے خدا! محمد وآل محمد پر درود نازل فرما۔

مذکورہ بالا دعا کو پڑھنے کے بعد اپنے والدین، مومنین و مسلمین کے لیے دعا کرے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے بعد جو بھی مراد ہو اسے بیان کرے۔ انشاءاللہ پوری ہوگی۔

مجھ حقیر کی رسول اور اولیا کے درمیان شناسائی فرما۔ خدایا! محمد وآل محمد پر درود ہو۔
خدایا! تیری ذات، تیرے رسول کی تصدیق، حضرت علی بن ابی طالب اور آئمہ پر (جو ان کی اولاد سے ہیں، ان سب پر سلام ہو) میرے ایمان کے ساتھ میری موت ہو۔ میں ان کے دشمن سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں اس لیے کہ اے میرے رب یہ چیزیں جو تو نے ہمیں عطا کی ہیں اس پر میں خوش ہوں۔ اے خدا! محمد وآل محمد پر درود نازل فرما۔

مذکورہ بالا دعا کو پڑھنے کے بعد اپنے والدین، مومنین ومسلمین کے لیے دعا کرے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے بعد جو بھی مراد ہو اسے بیان کرے۔ انشاءاللہ پوری ہوگی۔
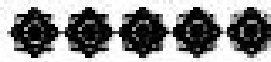
میں ان شہدائے کربلا کو درود وسلام سے یاد کرتا ہوں جنھوں نے میدان کربلا میں مظلوم امام کی بخوشی نصرت فرمائی۔ خاص طور پر حضرت عباس کی جو فوج حسینی کے علمدار اور ابن ابوتراب یعنی لشکر شبیر کے پیشوا تھے۔ وہ ایسے عالی مرتبت تھے جن کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ آفتاب آپ کا کرہ چوگان ہے جن کی ضرب سے ادھر سے ادھر لڑھکتا پھرتا ہے

بعد ازیں بہر شہیداں کہ خوش جاں دادہ اند
درشہادت گاہ شاہ کربلا را ، در رکاب
سَیّمَا از بہر ترویج علم دار حسین
پیشوائے لشکر شبیر ابن بوتراب
حضرت عباس عالی رتبہ کہ چوگان او
می رود مانند گوئے بے سر و پا آفتاب

(مرزا اسداللہ خاں غالب)